www.urducouncil.nic.in

جنوری 2025 ، قیمت :- 15 ₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

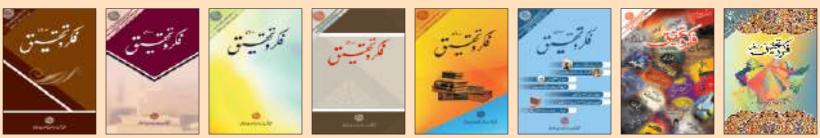

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
وطن کا رتن	شجاع الدین شاہد	07
بچوں کی تخلیقی صلاحیت کو بڑھانے....	نکہت انجم ناظم الدین	09
سالِ نو		
نیا سال، نئی امنگیں	مناظر حسن شاہین	13
نیا سال آیا	محمد توقیر عالم نظمی	14
کہانیاں		
آنکھ کی دوائی	انیس اعظمی	15
عجیب سوال	مشتاق کریمی	19
بھرَبتّوں کی کہانی	پرویز شہریار	22
انوکھی ترکیب	خان حسنین عاقب	25
اکڑو خاں	محمد عامر علوی	27
تربیت	زیبا ناز	30
گلابی سوئیٹر	شفیق الرحمن کھاگوی	34
نظمیں		
سردی کا موسم من کو بھائے	عبدالرزاق دل کھولاپوری	37
پیڑ لگائیں	نصیر احمد عادل	38
سردی آئی سردی آئی	انعامدار رخسانہ ساجد	39
صبح سویرے	ساحر داؤد نگری	40
سردی آئی	ناصر الدین قمر الدین ناصر	40
پنچھی خوش رنگ	نہاں رباب	41
ڈراما		
امیدوں کا تاجر	نعیمہ جعفری پاشا	42
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	45
صحت		
تندرستی کا راز	محمود اختر جلال پوری	46
ترجمہ		
گلو	مہادیوی ورما، ترجمہ: نصرت شمسی	48
قسط وار ناول		
جنگل کی کہانی رمیش نارائن تیواری	مترجمہ: زینت شہریار	51
سائنس		
پمپڈ اسٹوریج ہائیڈرو پاور	ادریس شاہجہاں پوری	57
ننھے فنکار		
سفر بنارس	سنسکرتی مشرا	60
پینٹنگ		61

بچوں کی دنیا

جلد: 13 شمارہ: 01 جنوری 2025

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /15 روپے، سالانہ/145 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد - 500002
فون: 040-24415194

پیارے بچو! آپ سب کو نیا سال بہت بہت مبارک، ہمارے لیے یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہم لوگ نئے سال میں داخل ہورہے ہیں، نیا سال اپنے ساتھ نئے خواب، نیا جوش اور نئی امنگیں لے کر آتا ہے، نئے سال میں نئے نئے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور پھر سال بھر اس پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ ہم اپنے وقت کا صحیح استعمال کر سکیں اور اپنے مستقبل کو بہتر سے بہتر بنا سکیں، ہم منصوبے بنانے میں اپنے اساتذہ اور بڑوں کی بھی مدد لے سکتے ہیں جن سے ہمیں اندازہ ہو کہ مستقبل میں کون سے کام اور کون سے کورسز زیادہ کارآمد ہوں گے، یہی وقت صحیح اور درست فیصلے کا ہے اگر اس وقت ہم نے صحیح راستے کا انتخاب نہیں کیا تو پھر آگے چل کر ہمیں طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور اگر صحیح راستہ چن لیا تو پھر کامیابی و کامرانی ہمارے قدم چومے گی اور ہم اس قابل ہوں گے کہ ملک و قوم کی خدمت کر سکیں۔ اکیسویں صدی میں نئی نئی دریافت منظر عام پر آرہی ہیں، ٹیکنالوجی کی تیز رفتاری ہمیں یہ بتارہی ہے کہ زمانہ بہت تیز چل رہا ہے اس لیے ہمیں بھی اپنی رفتار بڑھانی ہوگی اور اپنا انداز بدلنا ہوگا جبھی ہم زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکتے ہیں، اگر ہم نے تھوڑی بھی کوتاہی اور سستی کی تو پھر کافی پیچھے رہ جائیں گے۔

بچو! جنوری کا مہینہ ہمارے اور ہمارے ملک کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اسی مہینے کی 26 تاریخ کو ہم یوم جمہوریہ مناتے ہیں، اس موقعے پر ہم ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ دفتروں، اسکولوں اور کالجز وغیرہ میں یوم جمہوریہ کی مناسبت سے طرح طرح کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں اور بچے بڑے سب اس میں شامل ہو کر اپنی خوشی، محبت اور اتحاد و یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں، یوم جمہوریہ کے موقعے پر حکومت ہند کی طرف سے ایک شاندار اور پر وقار پروگرام کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں صدر جمہوریہ، نائب صدر اور وزیر اعظم وغیرہ شریک ہوتے ہیں، مختلف صوبوں کی جھانکی پیش کی جاتی ہے جس میں وہاں کی تہذیب و ثقافت کو پیش کیا جاتا ہے، فوجی طاقت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں جسے دیکھنے کے لیے دور دراز سے لوگ آتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔

پیارے بچو! جنوری کے مہینے میں 26 جنوری کے علاوہ اور بھی خاص دن منائے جاتے ہیں جیسے 9 جنوری کو پرواسی بھارتیہ دِوس، 12 جنوری کو قومی یووا دِوس، 15 جنوری کو ہندوستانی فوج دِوس، 24 جنوری کو قومی بالیکا دِوس اور 25 جنوری کو ووٹروں کا قومی دن منایا جاتا ہے، ہر خاص دن کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے، ہمیں ان دنوں کے بارے میں بھی ضرور جاننا چاہیے تا کہ ہمارے علم میں اضافہ ہو اور ہم ہر اہم دن کی خصوصیات سے واقف ہو سکیں

آپ کا

قارئین

ڈاک خانہ

الہدیٰ اردو ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

'بچوں کی دنیا' نومبر 2024 کا شمارہ موصول ہوا۔ سرورق پر تین معصوم بچوں کی کاغذ کی ناؤ میں تعلیمی سفر تقویت دیتا ہے، قلم کی پتوار اور وہیں کہیں کہیں گلوں کے بوٹے جو کھلنے کے لیے بیتاب ہیں۔ کیا ہی سہانا منظر ہے۔ اتنا ہی سہانا اور پر اثر اس شمارے کا اداریہ ہے۔ جس میں وقت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ ہم وقت کی قدر کریں زیادہ تر وقت کتابوں کے مطالعے میں صرف کریں نہ کہ غیر ضروری چیزوں میں وقت ضائع کریں ورنہ زندگی ہی ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ خیر اس شمارے میں گیارہ شہ سرخیاں ہیں اور ان میں کوئی دو درجن مصنّفین نے اچھے اچھے مضامین، نظمیں اور کہانیاں وغیرہ لکھی ہیں مثلاً 'برف کا آدمی'، 'کچھ وقت کے بارے میں'، 'مربے کا ڈبہ'، 'چڑیا رانی'، 'قدرت کا قہر'، 'مونو' اور پھر قسط وار ناول میں 'جنگل کی کہانی' جو نہایت پر اسرار اور دلکش بھی ہے اور ایک بہترین سبق زبان شناسی میں 'کب (ی) کی آواز نہیں نکلتی' اس سبق کو ضرور پڑھیں بہت فائدہ ہوگا۔ اس میں تاریخی سائنس اور ثقافتی معلومات بھی درج ہیں جو بچوں کی دنیا کے ادارے نے بہم پہنچائی ہیں اور آخر میں ننھے فنکاروں کی پینٹنگس بس آپ پڑھتے رہیے، کھیلتے اور ہنستے رہیے اور زندگی میں کامیابی کی جانب اپنے نازک اور پھر مضبوط قدم بڑھاتے رہیے۔

مصطفیٰ ندیم خان غوری، بی 11، گرین ویلی، روضہ باغ، چھترپتی سنبھاجی نگر۔ 431001 (مہاراشٹر)، موبائل نمبر: 9604957100

'بچوں کی دنیا' نومبر 2024 کا شمارہ گیا کے کرن بکڈ پو سے خرید کر پڑھا۔ زیر نظر شمارے کے تمام مشمولات لائق مطالعہ اور قابل ستائش ہیں۔ مضامین میں برف کا آدمی: بیتی اور کچھ وقت کے بارے میں معلومات افزا ہیں۔ 'منا کا ہیلی کاپٹر' اور 'نئی کلاس نیا ہنر' بچوں کے لیے حوصلہ افزا اور دلچسپی سے بھرپور کہانیاں ہیں۔ منا ہیلی کاپٹر کی

اولیوا کیڈمی، چلما پور، گورکھپور، یوپی

آخری پیراگراف پڑھتے ہوئے میری آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ منظومات کا حصہ بھی بہتر ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ ہمارا یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

مصباح الدین طارق، موضع لکشمی بورٹ گیا، بہار

'بچوں کی دنیا' نومبر 2024 کا شمارہ دیکھا ماشاء اللہ، خوب ہے 'بچوں کی دنیا' دہلی کی پوری ٹیم کو رسالے کا بارہواں سال بہت مبارک ہو۔ جنوری کے بعد آنے والا تیرہواں سال بھی بہت مبارک ہو۔ خدا وند کریم خوب ترقی دے، رسالہ ایسے ہی جاری رہے۔ آمین تزئین و سرورق اور ڈیزائن اسسٹنٹ کو میں مبارک باد دیتی ہو کہ ہر بار سرورق بہت خوبصورت ہوتا ہے اور مضامین، نظمیں کہانیوں کے متعلق ڈیزائن کارٹون تیار کیے جاتے ہیں اسی سے پڑھنے کا شوق اور دلچسپی آتی ہے اداریہ بغور پڑھا بے حد پسند آیا۔ وقت کی قدر و قیمت کا احساس ہوا واقعی وقت قدرت کا سب سے انمول تحفہ ہے۔ ہر ایک مضمون قابل تعریف ہے۔ نظم میں ہمیں سب سے زیادہ تاج محل، ماں، بہنیں، بے حد پسند آئی باقی نظمیں بھی عمدہ ہے کہانیاں معلومات سے متعلق ہے دلچسپی سے پڑھا۔ قسطوار ناول زبردست ہے 'ایموجی: دنیا کی پہلی عام ڈیجیٹل زبان' موبائل میں استعمال ہونے والے ایموجی کی دلچسپ کہانی پڑھ کر اچھا لگا۔ بقیہ مشمولات بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔

ثمینہ بانو محمد افضال، مدرسہ فاروقیہ سلطان العلوم مومن پورہ، برہانپور مدھیہ پردیش

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ستمبر کا شمارہ موصول ہوا۔ اس رسالے میں میری تخلیق 'برسات' دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا جس کے لیے میں آپ کی مشکور ہوں۔ سرورق پر ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن کی تصویر کے ساتھ پیارے بچے بہت ہی اچھے لگ رہے ہیں۔ مدیر ڈاکٹر شمس اقبال کا اداریہ پڑھا جس میں تعلیم اور اساتذہ کی اہمیت کو بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس شمارے میں عمدہ مضامین، پیاری نظمیں اور دلچسپ کہانیاں ہیں، خاص کر مجھے پرویز مانوس کی کہانی 'کانگڑی کا راز' بہت پسند آئی۔ مزاحیہ کہانیاں بھی دلچسپ ہیں اور صحت اطفال میں محمد خلیل صاحب نے 'پپیتا' کے متعلق بہت سی جانکاریاں اور فوائد بیان کیے ہیں۔ تاریخی سائنسی اور ثقافتی معلومات بچوں کے لیے بے حد مفید ہیں۔ آخر میں ننھے فنکاروں کی رنگین اور دلکش تصاویر بے حد پسند آئیں۔

شمس النسا کرن، ہندوپور، آندھرا پردیش

شجاع الدین شاہد

وطن کا رتن

بھارت کی سرزمین سے یوں تو کئی شخصیات نے جنم لیا اور اپنے اپنے میدان میں کامیابی کا پرچم لہرا کر عالمی شہرت حاصل کی۔ ایسی شخصیات میں صنعت کار رتن ٹاٹا کا نام بڑے فخر سے لیا جائے گا۔

رتن نول ٹاٹا کی پیدائش 26/ دسمبر 1937 کو ممبئی میں ہوئی۔ 9/ اکتوبر 2024 کو 86 سال کی عمر میں ممبئی میں انھوں نے آخری سانس لی۔

ان کی عمر جب 10 سال تھی تب ان کے والدین نے علیحدگی اختیار کر لی، پھر ان کی دادی نے ان کی پرورش کی۔

وقت کا پابند، سادگی پسند، محبِّ وطن، اپنی دُھن کا پکا، سادگی کا نمونہ، کیا کیا خوبیاں نہیں تھیں رتن ٹاٹا میں۔ ہندوستان میں صنعتی انقلاب لانے والوں میں ہمیشہ ان کا نام رہے گا۔

روپیہ پیسہ کبھی اخلاقیات نہیں سکھاتا وہ صرف اپنے پیچھے دوڑنا سکھاتا ہے، اس دوڑ میں شامل ہونے کے بعد انسان سارے اصول ایک طرف رکھ دیتا ہے، مگر رتن ٹاٹا نے اس بات کو غلط ثابت کر دکھایا۔ انھوں نے کمزور اور لاچار لوگوں کی ترقی کے لیے اپنی زندگی صرف کر دی۔ وہ ہر موڑ پر کمزور طبقات کی مدد کرتے۔ کرونا کے دور میں جب ساری دنیا مین ہاہا کار مچا ہوا تھا، ہر کوئی اپنی اپنی فکر کر رہا تھا ایسے نازک دور میں انھوں نے اپنے ساتھی صنعت کاروں کے ساتھ میٹنگ کی اور حکومت کی مدد کرنے کے لیے آمادہ کیا اور خود بھی کروڑوں روپے سے حکومت کو مدد دی۔ اپنے ساتھی صنعت کاروں سے التجا کی کہ کسی بھی ملازم کو ملازمت سے نہ نکالیں، انھیں روزگار فراہم کریں۔ تاکہ ان کے خاندان کی کفالت ہوتی رہے۔ ایسے دردمند دل اور انسان دوستی کی مثال کہاں ملتی ہے۔ ایک ٹیلیفون انٹرویو میں کسی نے رتن ٹاٹا سے پوچھا: ''سر آپ کو زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کب ہوئی؟'' ان کا جواب تھا:

میں نے زندگی چار مرحلوں میں گزاری۔ آخری مرحلے میں مجھے سچی خوشی نصیب ہوئی۔ پہلا مرحلہ: بے شمار مال و دولت جمع کر لی مگر یہاں بھی مجھے سچی خوشی نصیب نہیں ہوئی جس کی مجھے خواہش تھی۔

دوسرا مرحلہ: جب میں نے قیمتی اشیا ساز و سامان، مہنگے ملبوسات جمع کرنا شروع کر دیا، مگر مجھے جلد احساس ہو گیا کہ یہ بناوٹی چیزیں ہیں اس کی چمک دمک بھی جلد ختم ہونے والی ہے۔

تیسرا مرحلہ وہ آیا جب میں نے عالمی سطح پر بڑے بڑے پروجیکٹ حاصل کر لیے اور ایک کامیاب صنعت

کاروں میں میرا شمار ہونے لگا۔ مگر پھر بھی مجھے وہ خوشی حاصل نہیں ہوئی جس کا میں نے تصور کیا تھا۔

چوتھا اور آخری مرحلہ آیا جس نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ میرے ایک دوست نے مشورہ دیا کہ اپاہج اور معذور بچوں کے لیے 200/ وہیل چیر خرید کر ان میں تقسیم کردو۔ میں نے ان کی تجویز منظور کرلی۔ مگر میرے دوست نے اصرار کیا کہ میں خود اپنے ہاتھوں سے یہ کرسیاں ان معذور بچوں میں تقسیم کروں۔ میں نے معذور بچوں کو اپنے ہاتھوں سے وہیل چیر تقسیم کیں۔ اس دوارن ان بچوں کی آنکھوں میں جوخوشی کی چمک دیکھی وہ زندگی میں ایک نیا احساس پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔ جب میں واپس جانے لگا تو ایک بچے نے میری ٹانگ پکڑ لی۔ میں نے دھیرے سے پیر چھڑانے کی کوشش کی تو اس نے زور سے میری ٹانگ پکڑ لی میں نے بڑے پیار سے اس سے پوچھا:

''تمھیں کچھ اور چاہیے؟'' اس بچے نے جواب دیا۔

'' میں آپ کا چہرہ یاد رکھنا چاہتا ہوں تاکہ جب جنت میں آپ سے ملوں تو آپ کو پہچان سکوں اور ایک بار پھر آپ کا شکریہ ادا کرسکوں۔''

اس واقعے نے میری زندگی کا رخ موڑ دیا اور مجھے احساس ہوا کہ سچی خوشی دوسروں کی خدمت کرنے میں ہے نہ کہ دنیاوی آسائش وآرام حاصل کرنے میں۔

دردمند دل رتن ٹاٹا کی انسان دوستی کی بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ بے زبان جانوروں کا تحفظ اور ان کی خدمت کا جذبہ بھی ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ کتوں سے انھیں بڑی محبت تھی۔ وہ جب ممبئی ہاؤس پہنچتے تو کُتے انھیں گھیر لیتے اور لفٹ تک چھوڑنے آتے۔ انھوں نے ممبئی ہاؤس کے سیکورٹی اسٹاف سے کہا کہ ان کتوں کو بلا روک ٹوک احاطے میں آنے دیں۔ دو جرمن شیفرڈ کتے جن کا نام ٹینگو اور ٹیٹو تھا ان دونوں کتوں سے انھیں بڑی محبت تھی۔ اس کے علاوہ اک 'گوا' نام کا کتا بھی ان کے لیے خاص مقام رکھتا تھا۔

2018 میں جب برنگھم پیلس میں ایک باوقار ایوارڈ کے لیے ان کا انتخاب ہوا تو عین وقت پر انھوں نے معذرت کرلی اور کہا کہ ان کا ایک کتا 'ٹیٹو' بیمار ہے اس لیے وہ نہیں آسکتے۔ شہزادہ چارلس یہ سن کر سکتے میں آ گئے اور انھوں نے کہا ''یہ ایک سچے انسان کی پہچان ہے۔''

اس سچے انسان نے اپنی شخصیت سے تمام معاشرے کو متاثر کیا۔

رتن ٹاٹا جیسے سادگی پسند، محبِّ وطن صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ صنعت، صحت وتعلیم کے میدان میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی اور اس جادوئی شخصیت رتن ٹاٹا کو دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی ان القاب کے ساتھ:

بے سہاروں کا سہارا، غریبوں کا مسیحا، اک مخلص محبِّ وطن، خاک وطن کا انمول رتن۔

شاید انھیں کے لیے کہا گیا ہے۔

کہانی ختم ہوئی اور ایسی ختم ہوئی
کہ لوگ رونے لگے تالیاں بجاتے ہوئے

■

Shujauddin Shahid
C-5, Swambhu Society, No: 1
Near Care Hospital, Mhada Complex
Malwani, Mhada, Malad (West)
Mumbai- 95
Mob.:9969039485

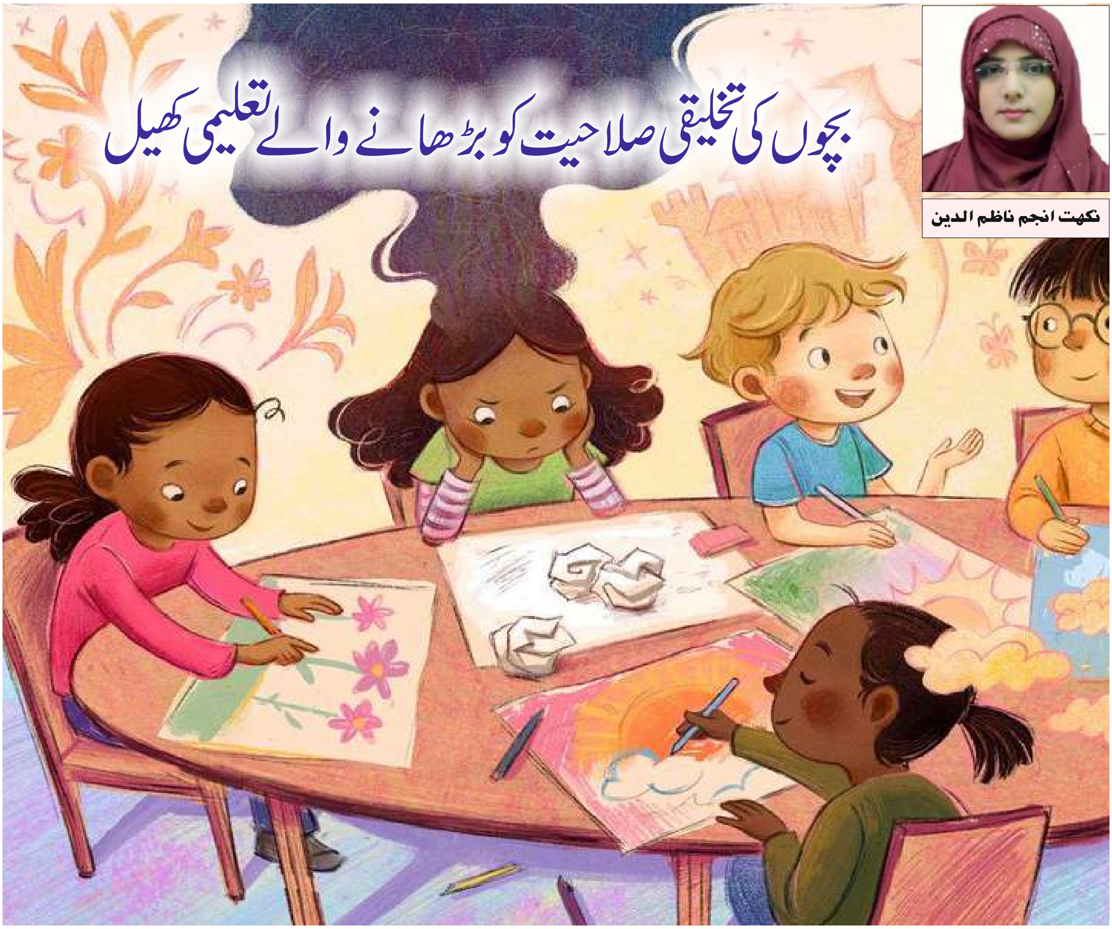

بچوں کی تخلیقی صلاحیت کو بڑھانے والے تعلیمی کھیل

نکہت انجم ناظم الدین

بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لیے کئی دلچسپ کھیل کھیلے جاسکتے ہیں۔ یہ کھیل نہ صرف بچوں کے تخیل کو جلا بخشتے ہیں بلکہ ان کی انفرادی اور اجتماعی کارکردگی اوران کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں کو بھی پروان چڑھاتے ہیں۔ بچوں کے لیے کچھ تخلیقی کھیلوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔ یہ تعلیمی کھیل ہم اپنے بچوں کو گھر یا کمرہ جماعت میں کھیلنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

1. خالی خانوں کی کہانی (Mad Libs)

خالی خانوں کی کہانی (Mad Libs) ایک ایسا تعلیمی کھیل ہے جو بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کے ساتھ زباندانی کی افہام وتفہیم کو آسان بناتا ہے اور بچے زباندانی میں مہارت حاصل کرتے ہیں۔ اس کھیل میں بچوں کو ایک غیر مکمل کہانی دی جاتی ہے جس میں کچھ الفاظ کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی ہے۔ بچے ان خالی جگہوں کو اسم، فعل اور صفت سے بھرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک مزاحیہ اور دلچسپ کہانی سامنے آتی ہے۔ اس کھیل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ بچوں کو مختلف الفاظ کے استعمال سے ایک ہی کہانی کے کئی دلچسپ اور منفرد پہلو تخلیق کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ بچے اپنی زبان دانی کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ قواعد کے مختلف نکات کو بھی سیکھتے ہیں۔

اس کے علاوہ میڈلبس میں بچوں کو تخیل کے استعمال کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔انھیں سوچنا پڑتا ہے کہ کون سا لفظ کس جگہ بہتر طور پر فٹ ہوگا۔اس عمل کے دوران بچے الفاظ کے معنی اور ان کے استعمال کے حوالے سے اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ کھیل بچوں کے مسئلہ حل کرنے کی صلاحیت کو بھی بہتر بناتا ہے کیونکہ انھیں فوری طور پر موزوں الفاظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے۔طلبہ کو پوری کہانی کو ذہن میں رکھ کر الفاظ کا انتخاب کرنا ہوتا ہے اس لیے ان میں توجہ مرکوز کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

2. آرٹسٹ اور ہدایت کار (Artistand Director)

آرٹسٹ اور ہدایت کار کھیل کے ذریعے بچوں کی تخلیقی اظہار اور مواصلاتی صلاحیتوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ اس کھیل میں ایک بچہ ہدایت کار کا کردار ادا کرتا ہے اور دوسرا آرٹسٹ کا۔ ہدایت کار کسی منظر یا چیز کی وضاحت کرتا ہے اور آرٹسٹ اس وضاحت کی بنیاد پر اسے پینٹ کرتا ہے۔ یہ عمل بچوں کو اپنے خیالات کو واضح اور درست طریقے سے بیان کرنے کی تربیت دیتا ہے۔ آرٹسٹ کے کردار میں بچے تخیل کے استعمال سے تصورات کو حقیقت کا رنگ دیتے ہیں۔اس کھیل کے ذریعے بچوں میں نہ صرف تخلیقی صلاحیتوں کا فروغ ہوتا ہے بلکہ ٹیم ورک اور مل جل کر کام کرنے کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔

3. کہانی کیوبز (Story Cubes)

کہانی کیوبز کے ذریعے بچوں کی تخیل اور کہانی سازی کی صلاحیتوں کو بہتر بنایا جاسکتا ہے۔اس کھیل میں بچوں کو مکعب دیے جاتے ہیں جن پر مختلف تصاویر بنی ہوتی ہیں۔ بچے مکعب کو پھینک کر ان تصاویر کی مدد سے کہانی تخلیق کرتے ہیں۔ ہر مکعب کی تصویر کہانی میں ایک نیا موڑ لے آتی ہے جس سے کہانی مزید دلچسپ اور متنوع بن جاتی ہے۔ یہ کھیل بچوں کو تخلیقی طور پر سوچنے اور مختلف تصورات کو ملا کر ایک مکمل کہانی بنانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔اس کے علاوہ کہانی کیوبز بچوں کو تصویروں کو الفاظ میں تبدیل کرنے اور ان سے ایک مربوط کہانی بنانے کی مہارت سکھاتا ہے۔ یہ کھیل بچوں کے ذہنی تخیل کو جلا بخشتا ہے اور انھیں نئے خیالات تخلیق کرنے کی تحریک دیتا ہے۔

4. ایک جملہ، ایک کہانی (One Sentence, One Story)

ایک جملہ، ایک کہانی ایک دلچسپ تعلیمی کھیل ہے جو بچوں کی کہانی سازی کی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ اس کھیل میں ہر بچے کو ایک جملہ کہنے کا موقع دیا جاتا ہے اور اس طرح پوری کہانی آگے بڑھتی ہے۔ ہر بچہ کہانی کا رخ بدل سکتا ہے۔ جو اسے مزید دلچسپ اور متنوع بناتا ہے۔ یہ گیم بچوں کو کہانی کی ساخت کو سمجھنے اور تخلیقی انداز میں سوچنے کی تحریک دیتا ہے۔اس کھیل کے دوران بچے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا استعمال کرتے ہوئے نئے اور منفرد جملے تخلیق کرتے ہیں جو کہانی کو ایک نیا موڑ دیتے ہیں۔ اس کھیل کے ذریعے بچے فوری طور پر نئے خیالات تخلیق کرنے اور انھیں مؤثر طریقے سے بیان کرنے کی صلاحیت سیکھتے ہیں۔ یہ گیم بچوں کی تخلیقی سوچ کو جلا بخشتا ہے اور انھیں مختلف جملوں کو ملا کر ایک مکمل کہانی بنانے کی تربیت دیتا ہے۔

5. کاسٹیوم کہانی (Costume Story)

کاسٹیوم کہانی ایک تخلیقی کھیل ہے جو بچوں کو مختلف

کرداروں کے روپ میں کہانی بنانے کی صلاحیت سکھاتا ہے۔ اس کھیل میں بچوں کو مختلف کاسٹیومز پہننے کو دیے جاتے ہیں اور پھر ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے کاسٹیوم کی بنیاد پر ایک کہانی بنائیں۔ اس کھیل کے ذریعے بچوں میں تخلیقی سوچ اور کردار نگاری کی مہارتیں پیدا ہوتی ہیں۔ بچے کاسٹیوم کے کردار میں داخل ہو کر اپنی کہانی کو حقیقی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے بچوں کو اپنی کہانیوں کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کا موقع ملتا ہے۔ بچے مختلف کرداروں کی نفسیات کو بھی سمجھ سکتے ہیں اور ان کی حرکات وسکنات کو اپنے کرداروں میں شامل کر سکتے ہیں۔

6. پہیلیاں (Riddles)

پہیلیاں بوجھنے کا عمل بچوں کی ذہنی صلاحیتوں کو نکھارتا ہے۔ اس کھیل میں بچوں کو مختلف پیچیدہ سوالات یا مسائل دیے جاتے ہیں جنھیں وہ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پہیلیاں بچوں کو منطقی طور پر سوچنے کی تربیت دیتی ہیں کیونکہ یہاں انھیں سوالات کے جوابات کے لیے مختلف امکانات پر غور کرنا پڑتا ہے۔ یہ کھیل بچوں کے دماغ کو مختلف زاویوں سے سوچنے کی تحریک دیتا ہے۔ پہیلیاں حل کرنے کے دوران ان میں توجہ مرکوز رکھنے کی عادت بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں انھیں سوالات کو سمجھ کر غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔

7. خیالی خطوط (Imaginary Letters)

خیالی خطوط لکھنے کا کھیل بچوں کی تخلیقی اور تحریری صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ اس کھیل میں بچوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی خیالی دوست، شخصیت، یا ماضی یا مستقبل کے کسی فرد کو خط لکھیں۔ اس خط میں بچے اپنی کہانی، خیالات یا احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ کھیل بچوں کو اپنی تخلیقی سوچ کو الفاظ کی صورت میں پیش کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کھیل بچوں کو خیالات کے اظہار کا نیا اور منفرد طریقہ سکھاتا ہے۔ خیالی خطوط لکھنے کے دوران بچے اپنی تخیل کا استعمال کرتے ہوئے ایک ایسی دنیا تخلیق کرتے ہیں جو حقیقت میں موجود نہیں ہوتی۔ یہ عمل بچوں کو اپنے خیالات کو منظّم کرنے اور انھیں مؤثر انداز میں پیش کرنے کی تربیت دیتا ہے۔

8. تصاویر سے کہانی (Picture Story)

تصاویر سے کہانی بنانے کا کھیل بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور انھیں مختلف تصورات کو کہانی کی شکل دینے کی تحریک دیتا ہے۔ اس کھیل میں بچوں کو مختلف تصاویر دکھائی جاتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ ان تصاویر کی بنیاد پر ایک کہانی تخلیق کریں۔ بچے مختلف تصاویر کو ملا کر ایک مکمل کہانی بناتے ہیں جس سے ان کی تخلیقی صلاحیتیں نکھرتی ہیں۔

9. مخفی خزانہ کی تلاش (Treasure Hunt)

مخفی خزانہ کی تلاش ایک دلچسپ اور تفریحی کھیل ہے جو بچوں کی مسئلہ حل کرنے کی صلاحیتوں کو فروغ دیتا ہے۔ اس کھیل میں بچوں کو مختلف اشارے دیے جاتے ہیں جو انھیں آخر میں خزانے تک پہنچاتے ہیں۔ ہر اشارہ ایک تخلیقی معمہ ہوتا ہے جسے حل کرنے کے بعد بچے اگلے اشارے تک پہنچتے ہیں۔ یہ کھیل بچوں کو مختلف طریقوں سے سوچنے اور مختلف نظریات پر غور کرنے کی تحریک دیتا ہے۔ مخفی خزانہ کی تلاش کے دوران بچے مختلف راستوں پر چلتے ہیں اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ کھیل

بچوں کی تجسس اور مہم جوئی کی فطرت کو جلا بخشتا ہے اور انھیں مختلف مسائل کے حل تلاش کرنے کی تربیت دیتا ہے۔

10. موسموں کا کھیل (Weather Game)

موسموں کا کھیل بچوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دینے اور انھیں قدرتی مظاہر کو بہتر طور پر سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اس کھیل میں بچوں کو مختلف موسموں کے بارے میں بات کرنے اور پھر ہر موسم کی نمائندگی کرنے والے کردار یا کہانی تخلیق کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ بچے مختلف موسموں کے ساتھ منسلک منظرناموں کو تخلیق کرتے ہیں جیسے کہ بارش، دھوپ یا برف باری۔ اس کھیل کے ذریعے طلبہ مختلف قدرتی مظاہر کو بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ بچوں کو مختلف موسم اور ان کی خصوصیات کے بارے میں سیکھنے اور کہانیاں تخلیق کرنے کا موقع فراہم کیا جاسکتا ہے۔

11. پوسٹر ڈیزائن (Poster Design)

پوسٹر ڈیزائن کے عمل میں بچوں کو مختلف تصورات کو تصویری شکل دینے کی تربیت دی جاسکتی ہے۔ اس کھیل میں بچوں کو ایک خیالی فلم، کتاب یا ایونٹ کا پوسٹر بنانے کو کہا جاتا ہے۔ بچے مختلف رنگوں، تصویروں، اور الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے ایک دلکش پوسٹر تخلیق کرتے ہیں۔ یہ گیم بچوں کو تخلیقی ڈیزائننگ کی صلاحیت سکھاتا ہے اور انھیں مختلف تصورات کو تصویری شکل میں پیش کرنے کا موقع دیتا ہے۔

مندرجہ بالا تعلیمی کھیل نہ صرف بچوں کی تفریح کا ذریعہ بنتے ہیں بلکہ ان کی ذہنی، تخلیقی اور تعلیمی صلاحیتوں کو بھی پروان چڑھاتے ہیں۔ یہ کھیل انھیں مختلف مسائل کے حل تلاش کرنے، منطقی انداز میں سوچنے، اور تخلیقی انداز میں اپنی بات کو پیش کرنے کی تربیت دیتے ہیں۔ بچوں کو ان کھیلوں میں حصہ لینے سے ان کی خوداعتمادی، تخیل کی وسعت اور ٹیم ورک کی اہمیت کا بھی ادراک ہوتا ہے۔ بچے اپنے خیالات کو بہتر طریقے سے سمجھنے اور انھیں موثر انداز میں بیان کرنے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں۔ تعلیمی کھیلوں کا مقصد صرف تعلیم فراہم کرنا نہیں بلکہ بچوں کو ایک ایسا ماحول فراہم کرنا ہے جہاں وہ سیکھنے کے عمل کو دلچسپ اور تفریحی انداز میں تجربہ کریں۔ یہ کھیل بچوں کی مختلف صلاحیتوں کو نکھارنے اور ان کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب بچے کھیل کے ذریعے سیکھتے ہیں تو وہ زیادہ بہتر طور پر سیکھنے کے قابل ہوتے ہیں اور سیکھنے کے عمل کو زندگی بھر یاد رکھنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ تعلیمی کھیلوں کے ذریعے بچے اپنی سوچ کی دنیا میں نئے امکانات تلاش کرتے ہیں اور انھیں اپنی تخیل کی پرواز کو نئی بلندیوں تک لے جانے کا موقع ملتا ہے۔ یہ سرگرمیاں اور ان سے حاصل شدہ مہارتیں مستقبل میں بھی ان کے لیے مددگار ثابت ہوسکتی ہیں لہٰذا والدین اور اساتذہ کو چاہیے کہ وہ بچوں کو ان تعلیمی کھیلوں میں حصہ لینے کی ترغیب دیں تاکہ وہ سیکھنے کے عمل کو زیادہ مؤثر اور دلچسپ بناسکیں۔

■

Nikhat Anjum Nazimuddin
Z P Urdu Boys School Bodwad
Tal- Bodwad
Dist - Jalgaon - 425310 (Maharashtra)
Mob.: 7709655458
nikhatanjumsayyad@gmail.com

مناظر حسن شاہین

نیا سال، نئی امنگیں

امیدوں کا سورج نکلا، صبحِ تمنا جاگ اٹھی
سازِ طرب سے نغمے پھوٹے، خوشیوں کی سوغات ملی
آؤ استقبال کریں ہم 'نیا سال' پھر آیا ہے
نئی امنگیں، نئی ترنگیں، نئے ترانے لایا ہے
ماضی کا اب شکوہ کیسا، بیت گئی سو بات گئی
آفتاب خوشیوں کا چمکا غم کی کالی رات گئی
وقت کا پہیا رک نہیں سکتا یہ تو چلتا رہتا ہے
وقت کی قدر نہ کی جس نے بھی ہاتھ ہی ملتا رہتا ہے
قیمتی وقت ملا ہے یارو! کیوں اس کو برباد کریں
دل کی بستی اجڑ رہی ہے آؤ اسے آباد کریں
علم کے نور سے، آؤ ہم بھی دنیا کو روشن کردیں
پھیلے جس سے پیار کی خوشبو، پیدا وہ گلشن کردیں
اس دنیا میں سب کا بھلا ہو ایسا ہی کچھ کام کریں
گاندھی، نہرو، حسرت بن کر جگ میں روشن نام کریں
دوستو! آؤ عہد کریں ہم، ملک کی خدمت کرنا ہے
دیش کی خاطر جینا بھی ہے، دیش کی خاطر مرنا ہے

■

Manazir Hasan Shaheen
H. No.: 60, Millat Colony
Gaya- 823001 (Bihar)
Mob.: 9661214111

نیا سال آیا

نئی چاہتیں ہیں، نئے ولولے ہیں
نہ شکوہ کسی سے، نہ کوئی گلے ہیں
ہر اک دل کو الفت کا نغمہ سناتا
نیا سال آیا، نیا سال آیا
وہی سب کریں گے جو ہو کام اچھا
پڑھیں گے لکھیں گے، کریں نام اونچا
یہی عزم دل میں، سبھوں کے جگاتا
نیا سال آیا، نیا سال آیا
رہیں گے ہمیشہ سبھی بھائی بھائی
ہوں مسلم یا ہندو ہوں یا ہوں عیسائی
گلے، شکوے، کینہ، کدورت مٹاتا
نیا سال آیا، نیا سال آیا
مٹا دیں گے اس سال ظلم و ستم کو
بھلا دیں گے اس سال رنج و الم کو
بلند حوصلے اور نئے عزم دیتا
نیا سال آیا، نیا سال آیا
مٹا دل سے نظمی حسد، بغض و کینہ
ستا کر کسی کو نہیں تجھ کو جینا
محبت، اخوت کے نغمے سناتا
نیا سال آیا، نیا سال آیا

■

Mohd Tauqeer Alam Nazmi
Shama Idel Library
Bilade-Adam
Vaishali - 843114 (Bihar)
Mob.: 9771759436
tauqeeralam846105@gmail.com

آنکھ کی دوائی

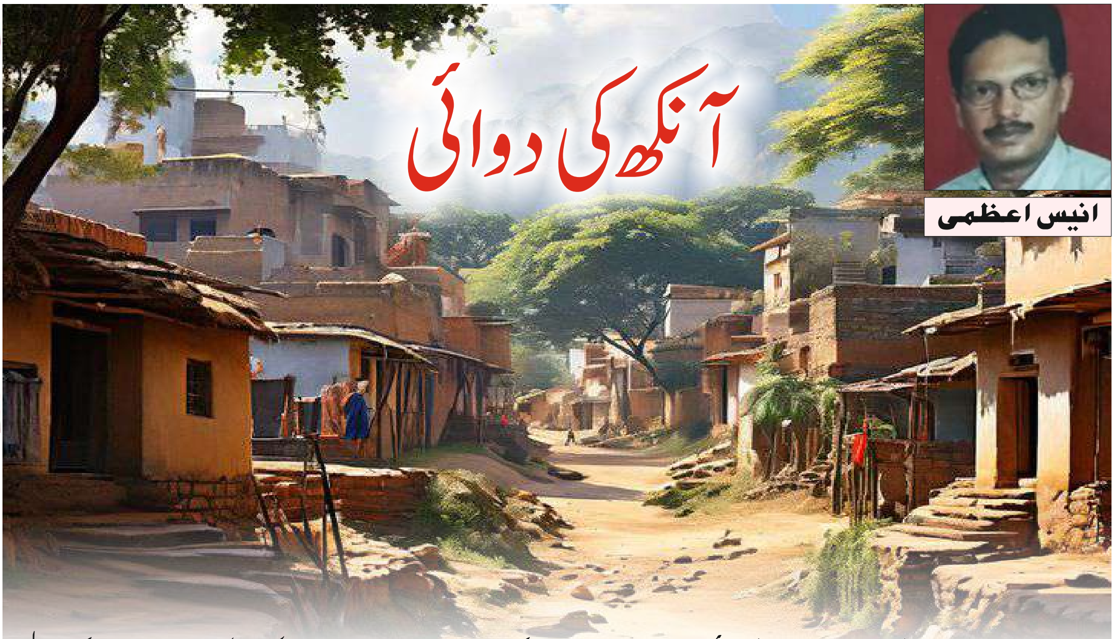

انیس اعظمی

پردے پر ایک چھوٹے سے شہر کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ یہ منظر کسی اونچی جگہ یا پھر ڈرون کی مدد سے بھی لیا جاسکتا ہے۔ منظر کے ساتھ ہی Voice Over سنائی دیتا ہے:

آواز (Voice Over): یہ ہمارا شہر ہے، چھوٹا سا شہر۔ چھوٹا ہے اسی لیے مشہور بھی نہیں ہے۔ یہاں کوئی مشہور آدمی بھی پیدا نہیں ہوا جس کے نام سے اس شہر کا نام لیا جاتا۔ لیکن ہمارے اس چھوٹے سے شہر میں، شہروں والی ساری چیزیں ہیں۔ یہاں اسکول ہیں، کالج ہیں، ڈاکٹر ہیں، اسپتال ہیں، سنیما ہیں، دکانیں ہیں، بازار ہیں۔ ریلوے اسٹیشن نہیں ہے تو کیا ہوا بس اڈا ہے، سڑکیں ہیں۔ بس اڈے پر جانے کتنے ہوٹل ہیں، چائے پکوڑے، سموسے، ستو، ٹھنڈی بوتل، مٹھائی، دودھ، دہی، لسی جو چاہے لے لو۔

شہر میں بہت پرانے محلے بھی ہیں اور نئی نئی کالونیاں بھی بن رہی ہیں۔ یہاں کی سڑکوں پر ریڑی بھی چلتی ہے، تانگا بھی اور اب تو بیٹری رکشا بھی چلنے لگا ہے۔ سائیکل، موٹر سائیکل کی تو بات ہی مت پوچھو، وہ تو بے حساب ہیں۔ یہاں ہر علاقے میں بازار ہے، دکانیں ہیں، مطلب ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہے۔

ایک بار پھر سے پردے پر شہر کو دکھایا جاتا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ایک بہت ہی بوڑھی عورت جو کمزور اور پریشان حال بھی دکھائی دے رہی ہے، نظر آتی ہے۔ دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے بھیک مانگنے والی ہے۔ اس کی ایک چپل ٹوٹی ہوئی ہے اس لیے پاؤں رگڑ رگڑ کر چل رہی ہے۔ ہر قدم کے بعد ڈنڈے کا سہارا لیتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی جارہی ہے، راوی کی آواز سنائی دیتی ہے:

راوی (Voice Over): اس بازار کے اس موڑ پر ایک بوسیدہ چھپر کے تلے یہ بوڑھی، غریب، کمزور مائی رہتی ہے، شہر میں کوئی اس کا اپنا نہیں ہے۔ کوئی

نہیں جانتا یہ کس گھر یا خاندان کی ہے۔ اس کی زندگی کا سچ کسی کو نہیں معلوم، لیکن جتنے منھ اتنی باتیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ شہر کے لوگ اس بوڑھی مائی کی مدد کر دیا کرتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ اس کا اپنا ہمارے علاوہ اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔ موچی ان کی ٹوٹی چپل میں ٹانکے لگا دیتا ہے۔ درزی ان کے پرانے پھٹے کپڑوں کی مرمت کر دیتا ہے، ڈاکٹر کھانسی، بخار کی دوا بغیر پیسوں کے دے دیا کرتا ہے۔ دودھ والا ایک گلاس دودھ روزانہ آ کر دے جاتا ہے، محلّہ کا حلوائی صبح شام کبھی سموسہ، کبھی ایک کچوری بھجوا دیتا ہے۔ جاڑوں میں آس پاس کے لوگ اپنے پرانے گدے لحاف اس کے چھپر کے سامنے ڈال جاتے ہیں۔ مائی کا کام اسی طرح چلتا ہے۔

پردے پر پھر سے شہر کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ بوڑھی مائی لاٹھی کے سہارے دھیرے دھیرے بازار کے فٹ پاتھ پر چلی جا رہی ہے۔ کبھی رک رک کر اپنے میلے دوپٹے سے اپنی دونوں آنکھوں کو رگڑتی ہے، کبھی پانی پونچھتی ہے، اس کے چہرے سے لگتا ہے کہ آنکھوں میں تکلیف ہے، کچھ دور چل کر وہ ایک چبوترے پر تھک کر بیٹھ جاتی ہے اور لمبی لمبی سانس لیتی ہے۔

(راوی کی آواز سنائی دیتی ہے)

راوی (Voice Over): ہاں یاد آیا اس شہر کی دو چیزیں بہت مشہور ہیں، ایک تو یہاں کی ڈھول ڈھکڑ، دوسرے یہاں کی چھوٹی بڑی مکھیاں، ان دونوں کی وجہ سے یہاں بیماری بہت تیزی سے پھیلتی ہے۔

آج صبح سے مائی اپنی آنکھیں رگڑ رگڑ کر پریشان ہو رہی ہے۔ لگتا ہے اس کی آنکھیں آئی ہوں۔ تبھی تو وہ بار بار اپنی آنکھوں کو رگڑے جا رہی ہے، لیکن مائی جا کہاں رہی ہے؟

(پردے پر مائی کو ایک دوا کی دکان میں جاتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ وہاں موجود کیمسٹ جس کا منہ اور موڈ پہلے سے بگڑا ہوا ہے، مائی کو اندر آتا دیکھ کر اور بھی بگڑ جاتا ہے۔)

مائی: ارے بیٹا بہت پریشانی میں جان ہے۔ جانے کیوں رات سے ہی آنکھوں میں جان لیوا کھجلی ہو رہی ہے، یوں لگے ہے جیسے آنکھ کی پتلی کو مرچی چھو گئی ہے۔ دیکھو آنکھوں سے کیسے پانی بہے جا رہا ہے، ٹھیک سے دکھائی بھی نہیں دے رہا ہے۔

(اسی وقت ایک نو دس سال کا لڑکا دکان میں داخل ہوتا ہے جو مائی کو پہچانتا ہے اسی لیے مائی کی باتوں کو دھیان سے سنتا ہے)

مائی: سچ میں کل سے ان آنکھوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوں کچھ سمجھ میں نہیں...

کیمسٹ: تو میں کیا کروں؟

مائی: ارے بیٹا مجھے آرام مل جائے... آنکھوں کو چین مل جائے ایسی کوئی دوائی دے دے، تیرا بھلا ہوگا۔

کیمسٹ: یہ آنکھ کا معاملہ ہے اس کا علاج آنکھوں کے ڈاکٹر کو پتا ہے کہ کون سی دوائی دینی ہے۔

مائی: ارے بھیا تم تو بہت سمجھدار اور تجربے کار آدمی ہو، ہم تو تم کو ہی ڈاکٹر جانتے ہیں جو دوائی کھجلی ٹھیک کر دے، دے دو۔

کیمسٹ: مائی آنکھوں کے اسپتال جاؤ، وہاں کا ڈاکٹر ہی بتائے گا دوائی کا نام۔

مائی: ارے بیٹا مجھ میں اتنی ہمت کہاں جو تین میل چل سکوں۔ میرے نہ کوئی آگے نہ پیچھے، مجھے بس تم لوگوں کا ہی سہارا ہے، کوئی سی دوائی دے دو اللہ تمھارا بھلا کرے۔

کیمسٹ: دیکھو مائی میں جو کہہ رہا ہوں وہی ٹھیک ہے۔ میں بغیر پرچے کے دوا نہ دوں گا۔

مائی: بیٹا ایسی بات نہ کر میری حالت دیکھ، میری کمزوری دیکھ، کوئی سی پرانی سُرانی دوائی دے دے، مجھے چین پڑ جائے، اللہ تیرے کام میں برکت دے گا۔

کیمسٹ: مجھے بھی بال بچے پالنے ہیں، صبح شام دوا بانٹتا رہا تو سڑک پر آ جاؤں گا۔ دوا چاہیے تو اسپتال جاؤ۔

(دکاندار 10-9 سال کے بچے کو دیکھ کر)

کیمسٹ: ہاں میاں تم کو کیا چاہیے (لڑکا اپنی جیب سے پرچہ نکال کر دیتا ہے)

لڑکا: اس پرچے کی ساری دوائیاں دے دیجیے۔

(کیمسٹ پرچے کو غور سے پڑھتا ہے)

کیمسٹ: ساری دوائیاں چاہیے؛؟

لڑکا: ہاں ہاں ساری دے دیجیے۔

(مائی غور سے کیمسٹ کی طرف دیکھتے ہوئے ہمت جٹا کے پوچھتی ہے)

مائی: بیٹا کیا میں تم سے کوئی امید رکھوں؟

کیمسٹ: بھلائی اسی میں ہے کہ اب چلتی بنو یہاں سے، یہ خیراتی اسپتال نہیں ہے۔

مائی مجبور ہو کر سر جھکائے لاٹھی ٹیکتی دکان سے باہر نکل جاتی ہے۔ کیمسٹ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں، وہ لڑکے کے لیے دوائیاں نکالنے لگتا ہے۔ لڑکا افسوس کے ساتھ مائی کو دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے۔

Fade Out

راوی: (Voice Over) یہ دنیا ہے، یہاں نرم گرم ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، کچھ اچھے تو کچھ مجبور بھی ہوتے ہیں۔ وہ بچہ جو کیمسٹ کی دکان پر اپنی دادای کی دوا لینے آیا تھا جب اس کی ساری دوائیاں کیمسٹ نکال دیتا ہے تو اسے اچانک یاد آتا ہے)

لڑکا: ارے ہاں یاد آیا اس میں آنکھ کی دوا نہیں ہوگی، وہ پرچہ تو گھر پر ہی رہ گیا۔ میری دادی کی آنکھوں میں آج کل کھجلی رہتی ہے اور آنکھ سے تھوڑا تھوڑا پانی یا آنسو بھی آتا ہے۔ آپ کوئی اچھی سی دوا دے دیجیے تاکہ آنکھ کھجلی سے آرام مل جائے۔

(دکاندار دو طرح کے Eye-drops بھی نکال کر اس کی دوائیوں میں شامل کر دیتا ہے۔ لڑکا جیب سے رومال نکال کر اس کی تہہ میں سے روپیہ نکالتے ہوئے پوچھتا ہے)

لڑکا: کتنے روپے ہوئے ساری دواؤں کے؟

(دکاندار ایک کاغذ پر رقم جوڑنے لگتا ہے)

Fade Out

(مائی بھاری قدموں سے لاٹھی ٹیکتی اپنی کٹیا کی طرف چلتی جا رہی ہے۔ تیز دھوپ میں اس کے

سفید بال چمک رہے ہیں۔ چہرہ گرمی سے تمتما رہا ہے۔اب وہ اپنی کٹیا کے پاس پہنچنے والی ہے)۔ کیمسٹ کی دکان سے دوا خریدنے والا لڑکا، مائی کی کٹیا میں داخل ہوتے ہی وہاں آتا ہے۔ مائی اسے غور سے دیکھتی ہے)

مائی: کون ہو بیٹا، کیا بات ہے؟

لڑکا: دادی تمھاری آنکھوں کی دوا...

مائی: میری آنکھوں کی دوائی کس نے بھیجی ہے... ارے کس نے بھیجی ہے؟

لڑکا: وہ دوائی والے انکل نے، جہاں تم کچھ دیر پہلے گئی تھی۔ یہ دوشیشیاں ہیں دونوں سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد ایک ایک بوند دوائی آنکھوں میں ڈالنا اور کل سے تین تین گھنٹے بعد ڈالنا... آرام مل جائے گا۔

مائی: (آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے) واہ رے تیری قدرت... میں ابھاگن اس بھلے مانُس کو دل ہی دل میں برا بھلا کہہ رہی تھی جب کہ میں جانتی ہوں کہ وہ انسان دل کا برا نہیں ہے... ہاں زبان کا کچھ سخت ضرور ہے۔اوپر والا اس کا بھلا کرے، اس کے بال بچوں کو جیتا رکھے۔ (لڑکے کو غور سے دیکھ کر) اور بیٹا، تو نے دوائی میرے گھر تک پہنچائی، سو اوپر والا تیرا بھی بھلا کرے، تو جُگ جُگ جیے، ہمیشہ اللہ تجھے خوش رکھے۔

لڑکا: (جو اب تک بالکل خاموش تھا) مائی دونوں شیشوں سے دو دو بوند دونوں آنکھوں میں ڈالتی ہے... یاد سے ڈالنا، اور ہاں گندے ہاتھوں سے آنکھوں کو نہ چھونا۔ (جیب سے رومال نکالتے ہوئے) یہ لو، یہ رومال، اس سے اپنی آنکھیں پوچھنا۔ (مائی اپنے پوپلے منہ کو کھول کر ہنسنے لگی ہے)

مائی: ایسے سمجھا رہا ہے جیسے سب سے بڑا ڈاکٹر تو ہی ہے... شاباش بیٹا، شاباش۔

دونوں ہنستے ہیں

Fade Out

The End

■

Anis Azmi
C-62, Nar Vihar 1
Sector 34 , NOIDA - 201301 (UP)
Mob.:9891535053

جواب

1	جہلم	2	وٹامن C	3	آٹھ	4	1913
5	Jaan Henri Dunant	6	کرکٹ	7	6	8	آٹا
9	چنئی میں	10	دواخانہ، طبی امداد	11	18 فروری 1911	12	گومتی
13	ولیم شیکسپیئر	14	Right to Information	15	Yuri Gagarin	16	دہلی
17	1996	18	15 جنوری	19	H2O	20	سردار ولبھ بھائی پٹیل

مشتاق کریمی

عجیب سوال

پرویز صاحب کوارقم سے بڑی محبت تھی۔ ہوتی بھی کیوں نہیں، وہ تھا ہی بلا کا خوبصورت، ذہین اور باتونی، پھر ارحم سے چھوٹا بھی تھا۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ چھوٹے بچے سے والدین کی محبت کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ ارقم کو الگ الگ قسم کے پھل کھانے کا بہت شوق تھا۔ جب کہ ارحم کو بریانی بہت پسند تھی۔ ارقم اور ارحم دونوں بھائی ایک ہی اسکول میں پڑھتے اور ایک ہی آٹو رکشا میں اسکول جاتے۔

ارحم اب ساتویں جماعت میں پہنچ چکا تھا۔ عمر کے ساتھ اس کی سمجھداری بھی بڑھتی جارہی تھی۔ اس نے اب ضد بھی کم کردی تھی۔ اسکول تو وہ روزانہ جاتا ہی تھا۔ اس کے علاوہ دوپہر کو گھر لوٹنے کے بعد وہ کھانا کھاتا، ظہر کی نماز ادا کرتا، پھر تھوڑا سا آرام کرلیتا۔ اس طرح لوٹ پوٹ میں عصر کی نماز کا وقت آجاتا۔ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ مسجد میں ہی سبق لینے بیٹھ جاتا۔ ارقم کبھی نماز کے لیے جاتا کبھی بہانہ بھی کرلیتا، گہری نیند سو جاتا مگر شام کے وقت دونوں بھائی اپنی اپنی سائیکلیں نکال لیتے اور کالونی کی چکنی سڑکوں پر دوڑاتے پھرتے۔ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں کبھی ٹکرا بھی جاتے۔ کبھی چھوٹے موٹے زخم بھی آجاتے۔ آنسو بھی چھلک پڑتے۔ غلطی کسی کی بھی ہوتی تو ڈانٹ بیچارے ارحم کو ہی پڑتی کہ وہ عمر میں ارقم سے دو سال بڑا تھا۔ وہ یہ سمجھنے بھی لگا تھا کہ اسے ڈانٹ پڑتی دیکھ ارقم جلد نارمل ہوجاتا ہے۔ اس لیے وہ کبھی ڈانٹ سے ناراض نہیں ہوتا۔

دونوں کے والدین اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ پرویز صاحب پونے کی ایک آئی ٹی کمپنی میں اونچے عہدے پر تھے۔ جبکہ والدہ آفرین صدف نے گریجویشن کے بعد بی ایڈ کیا تھا۔ انھیں نوکری کا بہترین آفر بھی ملا تھا مگر پرویز صاحب نے منع کردیا۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بیوی گھریلو ذمے داریوں کو بخوبی نبھائیں اور بچوں کی تربیت پر دھیان دیں۔ تاکہ ان کے بچوں کی ہر اعتبار سے تربیت ہو۔ وہ اچھائی اور برائی کے فرق کو پہچانیں۔ وہ صرف

پیسہ کمانے کی مشین بن کر نہ رہ جائیں۔ بلکہ اچھا، سچا، پکا اور نیک انسان بھی بنیں تا کہ وہ ملک کی ترقی اور انسانیت کی بھلائی میں اہم کردار ادا کرسکیں۔ پرویز صاحب کا فیصلہ درست ہی تھا۔ آفرین صدف نے بچوں کی تربیت کو ہی اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تھا۔ وہ صبح سویرے اٹھ جاتیں اور کاموں میں ایسے مصروف ہو جاتیں کہ انھیں اپنی صحت کی فکر بھی نہ رہتی۔ والدین کی قربانیوں کے بہترین نتائج برآمد ہونے لگے تھے۔ پوت کے پاؤں پالنے میں نظر آنے لگے تھے۔ دونوں بھائیوں کی شخصیت عمدہ سانچے میں ڈھلنے لگی تھی۔

''ارقم میں نے آج تمھارے لیے دعا کی تھی۔'' ارحم نے اپنا اسکول بیگ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''ارحم بھائی جان آپ نے میرے لیے کیا دعا کی تھی؟'' ارقم نے جوتے اتارتے ہوئے سوال کیا۔

''یہی کہ اسکول میں تمھیں آج سزا نہ ملے۔ تم آج موزے پہننا بھول گئے تھے نا۔''

''ارے ہاں!... بہت شکریہ بھائی جان شاید آپ کی دعا کا ہی اثر تھا کہ میڈم کی نظر میرے پیروں پر نہیں پڑی۔''

ہال میں یہ گفتگو سن کر سبھی ہنس پڑے۔ امی نے ارقم کو سینے سے لگا لیا اور دادی جان نے ارحم کا ماتھا چوم لیا۔

آج ارقم کا رویہ کچھ بدلا ہوا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ غصے کی حالت میں ہے۔

''امی جان! آج سے میں تمام مضامین نہیں پڑھوں گا۔'' اس نے کھانا کھاتے کھاتے اچانک یہ بات کہہ دی۔

''وہ کیوں بھئی! آخر ایسا کیا ہو گیا؟''

امی نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

''جب اسکول میں ایک ٹیچر ایک ہی مضمون پڑھاتا ہے تو پھر ایک بچہ تمام مضامین کیسے پڑھ سکتا ہے امی؟ یہ تو سخت ناانصافی ہے نا۔''

اس عجیب سے سوال پر امی مسکرا کر رہ گئیں۔

''تمھارے ارحم بھیا بھی تو سبھی مضامین پڑھتے ہیں اور اب تک تو تمھیں بھی کوئی اعتراض نہیں تھا۔ پھر آج ایسا کیا ہو گیا؟''

''میرے دوست ریحان نے مجھے یہ بتایا کہ اس کے ابو ایک ویڈیو دیکھ رہے تھے۔ جس میں ایک بچہ اپنے والدین سے یہی سوال کرتا ہے اور اس کے والدین ہنس پڑتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ ویڈیو میں بچے کا اعتراض صحیح تھا۔ تبھی تو اس کے سوال پر سب ہنس پڑے۔''

''اچھا ارقم بیٹے ابھی اطمینان سے کھانا کھا لو ہم تمھارا یہ سوال ابو کے سامنے ضرور رکھیں گے اور تمھیں انصاف دلانے کی پوری کوشش کریں گے۔''

ارقم امی کی بات سن کر بہت خوش ہوا۔ اس کی خوشی کی دوسری وجہ کل کا اتوار بھی تھا۔ یعنی چھٹی کا دن جس کا اسے بڑی بے چینی سے انتظار رہتا تھا۔ رات کو جب پرویز صاحب گھر پہنچے تو موقع پاتے ہی آفرین صدف نے ارقم کا عجیب سوال انھیں سنا دیا۔

اتوار کی صبح بڑی خوشگوار تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ گھر کے سبھی افراد نے ایک ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا اور کچھ ساز و سامان لے کر کالونی کے باغیچے میں جا بیٹھے۔ ارقم کے ذہن میں وہی سوال گردش کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ابو سے بھی پوچھ لیا۔

''ابو جان جب ایک ٹیچر ایک ہی مضمون پڑھاتا ہے تو پھر بچے کو بھی ایک ہی سبجیکٹ پڑھنا چاہیے نا؟'' پرویز صاحب مسکرا دیے۔ انھوں نے بڑے پیار سے ارقم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر باسکیٹ سے الگ الگ قسم کے پھل نکال کر دستر خوان پر سلیقے سے سجا دیے۔ درمیان میں سرخ رنگ کا سیب رکھ دیا۔ اس کے ارد گرد سبز امرود، تازہ سنترہ، انگوروں کا گچھا، پکا ہوا سیتا پھل، پیلا آم، کچھ ہرے کچھ لال بیر اور لیچی سے لدی ٹہنی رکھ دی۔ ان تمام تازہ رنگ برنگی اور خوشبودار پھلوں کو دیکھ کر ارقم کے منہ میں پانی بھر آیا۔ کچھ دیر کے لیے وہ اپنا سوال بھول گیا۔

''بولو بیٹے ارقم کیا کھانا پسند کروگے؟'' ابو نے پھلوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ابو میں پہلے کچھ انگور کھاؤں گا۔ اس کے بعد سیتا پھل اور پھر کھٹا میٹھا سنترہ اور پھر سب سے آخر میں سیب۔''

''تم صرف ایک پھل کیوں نہیں کھاؤ گے؟ تمھاری نظر تو سبھی پھلوں پر ہے۔''

''ارے ابو جان! آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے، انگور کی مٹھاس، سیتا پھل کا گودا، سنترے کا کھٹا میٹھا رس، سیب کا سفید ٹیسٹی گودا کتنے مزیدار ہوتے ہیں۔ ہر پھل کا اپنا الگ مزہ ہوتا ہے۔''

''ہاں تو میرے پیارے ارقم! جس طرح ہر پھل کا اپنا مزہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر مضمون کی بھی اپنی اہمیت ہے۔ اردو میں مٹھاس ہے، انگریزی پوری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ ہندی دیش کی بھاشا ہے، سائنس سے نئی سوچ پیدا ہوتی ہے، ریاضی حساب کتاب کا ماسٹر کہلاتا ہے، تاریخ سے پرکھوں کی معلومات ملتی ہے اور جغرافیہ سے دنیا کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے پیارے ارقم! بچے کو سبھی مضامین پڑھنے پڑتے ہیں اور آپ کے ٹیچرس نے بھی یہ سبھی مضامین پڑھے ہیں۔ بات سمجھ میں آئی؟''

''ہاں ابو بات کچھ تو سمجھ میں آئی ہے۔'' ارقم نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں بھی سبھی مضامین دل لگا کر پڑھوں گا۔ اب میں کھانا شروع کروں؟''

ارقم نے پھلوں کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ ابو نے مسکراتے ہوئے اشارہ کیا اور ارقم پھلوں پر ٹوٹ پڑا۔

■

Mushtaq Karimi
342 Shani Peth
Jalgaon - 425001 (Maharashtra)
Mob.: 09028222348
mushtaqkarimi@rediffmail.com

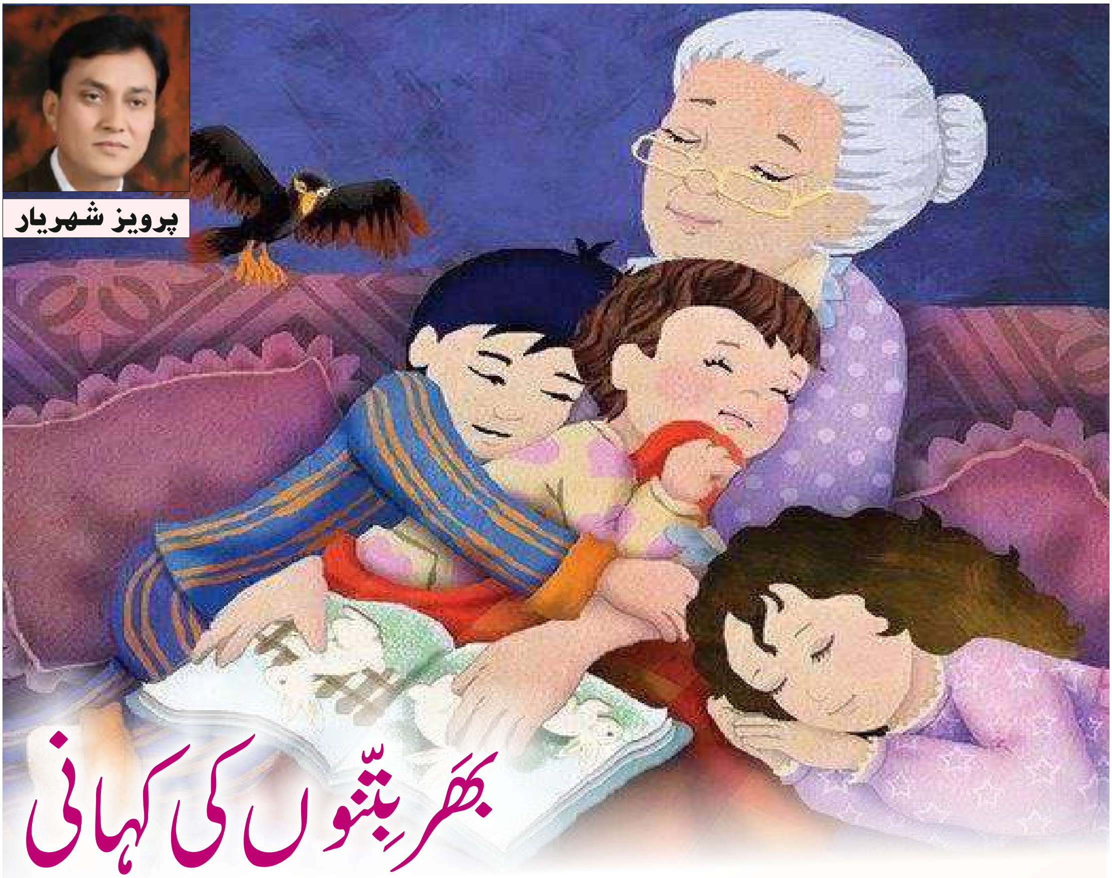

پرویز شہریار

بھر بتّنوں کی کہانی

ہم بچپن میں نانی جان کے گھر اکثر جایا کرتے تھے۔ ہم تین بھائی بہن ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ میری ایک بہن روزی تھی جو مجھ سے چھوٹی تھی اور بھائی مجھ سے بڑے تھے، ان کا نام فخرو تھا۔ ہم تینوں بھائی بہن آپس میں مِل جل کر رہتے تھے۔ ہمیں نانی کے گھر جانا بہت اچھا لگتا تھا کیونکہ نانی ہمیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیتی تھیں۔ جب وہ اپنے کام کاج سے فارغ ہو جاتیں تو ہمیں کہانیاں بھی سنایا کرتی تھیں۔

ایک دن جب ہم اتوار کی چھٹی میں نانی کے گھر جا رہے تھے تو راستے میں ہر دو چار قدم پر زمین کے اوپر ایک خاص طرح کے سوراخ نظر آئے۔

ہم سڑکوں کی بجائے جنگل کے راستے سے پیدل چل کر نانی کے گھر جایا کرتے تھے، کیونکہ سڑکیں بہت گھماؤ دار تھیں اور جنگل سے ہم کم وقت میں نانی کے گھر پہنچ جایا کرتے تھے۔

حالانکہ جنگل کا راستہ سنسان اور خوفناک تھا لیکن اس جنگل کی پگڈنڈیوں سے ہمارے پاؤں مانوس ہو چکے تھے۔ مجھے یاد ہے، اس راستے پر ایک بھوتیا کنواں بھی ملتا تھا، جس میں کبھی کبھی سانپ بھی دکھ جاتا تھا۔ آگے چل کر کچھ دوری پر ایک نالہ تھا جو سال بھر بہتا رہتا تھا، جسے ہم اپنی چپلوں کو ہاتھ میں لے کر ننگے پاؤں پار کر لیا کرتے تھے۔ اس کے کناروں کی گیلی مٹی میں کیکڑے، چھوٹے

چھوٹے مینڈک اور گول چکنے پتھروں سے جونکیں چپکی ہوئی نظر آجاتی تھیں۔ ایک بار ہم کسی پگڈنڈی سے گزر رہے تھے۔ تبھی وہاں کی نرم سفید اور بھربھری مٹی میں ہر دو چار قدم پر ایک خاص طرح کے سوراخ دکھائی دیے۔ ان سب کی بناوٹ بالکل ایک جیسی تھی۔ ہم ان جگھوں پر بیٹھ کے ان کی بناوٹ پر غور کرنے لگے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی کیڑا مکوڑا اس کے اندر گھستا چلا گیا ہے اور اس کے گھسنے سے چاروں طرف ننھے ننھے سے مٹی کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ہم سب حیران تھے کہ آخر یہ کیا بلا ہے؟ میرے بڑے بھائی فخرو نے اپنی باتوں سے ہمیں ایک دم چونکا کے رکھ دیا۔ انھوں نے کہا۔ یہاں بھربتن رہتے ہیں۔ اگر تم اپنی چھنگلی سے اس جگہ پر ایک بتہ زمین کھود سکتے ہو تو وہ بھربتّن زمین کے اندر سے برآمد ہو جائیں گے۔

بات آئی گئی، ہوگئی۔

ہم تینوں بھائی بہن وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ لیکن یہ بات مجھے بہت عجیب لگی تھی، خاص طور سے میری چھوٹی بہن روزی کے پوچھنے پر جب میرے بڑے بھائی فخرو نے بتایا کہ بھربتّن سورج کی روشنی برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ رات بھر ان ہی جنگلوں میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے زمین کے اندر روپوش ہوجاتے ہیں۔

میں نے نانی کے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے نانی سے یہ سوال کیا۔ بھربتّن کون ہوتے ہیں، یہ ہماری دنیا میں کیوں نہیں آتے ہیں؟

نانی نے پہلے، ہم سب کو صبر سے بیٹھنے کو کہا۔ اس کے بعد کہا، تم سب جنگل کے راستے سے آئے ہو، تھک گئے ہو گے۔ تم سب جا کر پہلے ہاتھ منھ دھولو، کچھ کھا پی لو۔ اس کے بعد تمھیں اس کی کہانی سناتی ہوں۔

جب ہم سب نے منھ دھونے کے بعد کچھ کھا پی لیا۔ تب نانی اپنے گھر کے کاموں سے فارغ ہوکر ہمارے درمیان آ کر بیٹھ گئیں اور پھر ہمارا دلچسپ مشغلہ شروع ہوگیا۔

سنو بچو!

بھربتّن ایک بالشت کے ہوتے ہیں۔ نانی نے اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کی نوک سے اپنی چھنگلی کی نوک تک اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ ایک بتّہ ہے۔ اسے بالشت بھی کہتے ہیں۔ بھربتّن ہماری ہی طرح کے مخلوق ہوتے ہیں۔ بس ان کا قد ایک بالشت بھر ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے عرف عام میں انھیں بھربتّن کہا جاتا ہے۔

بھربتن بڑے اچھے کاری گر ہوتے ہیں۔

وہ ہر کام بڑی محنت اور ہنرمندی سے کرتے ہیں۔

ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ محنت کرنے والے انسانوں کے ہمدرد ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ عید کے موقعے پر ایک موچی کی دکان پر مرمت کے لیے بہت سارے جوتے اور چپل جمع ہو گئے۔ کسی کی سلائی کھل گئی تھی۔ کسی کا تلّہ اُکھڑ گیا تھا۔ کسی کی چمڑے کی جوتی اکڑ گئی تھی، اسے ریڑھی کا تیل ڈال کر ملائم کرنا تھا۔ بہت سارے جوتے اور چپلوں میں پالش کرنے کا کام باقی رہ گیا تھا۔

عید کا تہوار نزدیک آرہا تھا۔ ادھر موچی کی طبیعت خراب ہوگئی۔ اس کا سارا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ یہ سب دیکھ کے بھربتّوں نے سوچا۔

موچی بڑا محنتی آدمی ہے۔ وہ دن بھر سب کی خدمت کرتا رہتا ہے۔ اگر اس نے جوتے چپل مرمت نہ کی اور اسی طرح بیمار پڑا رہا تو لوگ اس سے ناراض ہو جائیں گے۔ عید کا تہوار منانے میں انھیں بہت دقت ہو جائے گی۔ کچھ لوگ غصے میں آ کر اس کے ساتھ مار پیٹ بھی کر سکتے ہیں۔

بھربتّوں نے سوچا۔ موچی بھلا آدمی ہے۔ وہ اکثر درختوں کی جڑوں اور کیڑے مکوڑے کے بلوں میں چینی اور چاول کے دانے ڈال دیا کرتا ہے۔ چڑیوں کے لیے مٹی کے برتن میں پانی رکھ دیا کرتا ہے۔ اس کی یہ نیکیاں یاد کر کے بھربتّوں نے فیصلہ کیا۔ کیوں نہ ہم اس نیک آدمی کی مدد کریں۔

وقت گزرتا گیا۔

یہاں تک کہ عید کی آمد کو اب صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔

لوگ چاند رات سے ہی عید کی تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ اس موچی کا بخار تھا کہ اترنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ ادھر بوڑھے، بچے اور جوان سبھی لوگ اپنے اپنے جوتوں اور چپلوں کی مانگ کر رہے تھے۔

موچی سب سے یہی کہتا تھا کہ کل صبح عید کی نماز سے پہلے آ کر اپنے جوتے لے جانا اسے امید تھی کہ کسی بھی حال میں وہ رات بھر میں کام مکمل کر لے گا۔

لیکن بخار کسی بھی طرح کم نہیں ہوتا تھا۔ بے چارہ ایماندار موچی اپنے گاہکوں سے کیے گئے وعدے پورے کرنے کے لیے رات میں جاگ کر کام کرتا رہا۔ لیکن رات کس وقت اس کی آنکھ لگ گئی، اسے پتہ ہی نہ چلا۔

عید کی صبح سویرے جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنی دکان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سارے جوتے اور چپل مرمت ہو کر چمک رہے تھے۔

گاہک آتے اور اپنے اپنے جوتے اور چپل لے کر خوشی خوشی جا رہے تھے۔

موچی کا شکریہ بھی ادا کر رہے تھے۔

بچو!

بتاؤ کچھ سمجھ میں آیا۔

یہ سب کس کی کارستانی تھی؟

ہم تینوں بہن بھائیوں نے بیک آواز کہا۔

بھربتّوں کی

بھربتّوں کی

بھربتّوں کی تھی، یہ کارستانی!

تبھی نانی جان نے ہمیں بتایا۔ دراصل، اس رات جب موچی بخار کی حالت میں اپنا کام ادھورا چھوڑ کر سو گیا تھا، تو اس کے پڑوس میں رہنے والے بھربتّوں کو اس پر بہت ترس آ گیا۔ وہ سب کئی دنوں سے اس کی پریشانیوں کو دیکھ رہے تھے۔ آخر کار، انھوں نے اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور چاروں بھربتّوں نے مل کر اپنے ننھے ننھے اور پھرتیلے ہاتھوں سے یہ کرشمہ کر دکھایا۔

■

Dr. Perwaiz Shaharyar
Flat No: 43, Pocket-A, DDA SFS Flats
Sukhdev Vihar
New Delhi - 110025
Mob.: 9910782964
drspahmad@gmail.com

خان حسنین عاقب

انوکھی ترکیب

آنند اور اکرم سیٹھ کروڑی مل کی دکان پر کام کرتے تھے۔ دونوں ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور اچھے دوست تھے۔ وہ ایک ساتھ ہی پلے بڑھے، کھیلے کودے تھے۔ دونوں نے ایک ہی اسکول سے پڑھائی کی۔ دونوں کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں تھے اس لیے وہ زیادہ نہ پڑھ سکے اور سیٹھ کروڑی مل کی دکان میں کام کرنے لگے۔ یہاں کام کرتے ہوئے انھیں دو سال گزر گئے۔ لیکن وہ اپنے کام سے خوش نہیں تھے۔ کیونکہ سیٹھ کے یہاں منافع کو سب سے زیادہ اہمیت تھی۔ وہ اپنے یہاں کام کرنے والوں کا زیادہ خیال نہیں رکھتا تھا۔ نہ جلدی تنخواہیں بڑھاتا اور نہ ہی انھیں ضرورت کے وقت چھٹی دیتا۔ کام بھی بہت زیادہ لیتا۔ اس کی دکان پر بڑی عمر کے لوگوں کی ضرورت کا سامان بیچا جاتا تھا۔ اس علاقے میں کئی اسکول اور کالجز تھے۔ اس لیے اطراف میں بچے اور نوجوان کافی تعداد میں دکھائی دیتے تھے۔ اکرم نے یہ بات نوٹ کی کہ بچے ان کی دکان میں آتے اور ناشتے کی چیزیں پوچھتے۔ نہ ملنے کی صورت میں وہ خالی ہاتھ چلے جاتے۔ ایک دن کروڑی مل کی زیادتیوں سے تنگ آ کر آنند اور اکرم دونوں نے نوکری چھوڑ دی۔ انھوں نے طے کیا کہ اپنا کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کیا جائے۔

ان دو سالوں میں ان کے پاس کچھ پیسے جمع ہو چکے تھے۔ انھوں نے خوب غور کیا اور پھر یہ فیصلہ کیا کہ وہ بچوں کے لیے ناشتہ یعنی آلو چپس کے پیکٹ تیار کر کے دکانوں پر فروخت کریں گے۔ انھوں نے اپنی جمع پونجی سے پیکٹ بنانے والی مشین اور آلو چپس بنانے کے لیے ضروری چیزیں خرید لیں۔ اکرم کے گھر کے پچھلے حصے میں ایک بڑا سا خالی کمرہ تھا۔ انھوں نے وہیں چپس بنانے کا کام شروع کر دیا۔ ان کے پڑوس میں گھروں میں کام کرنے والی شانتی موسی رہتی تھی۔ انھوں نے شانتی موسی کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ شانتی موسی آلو چپس بناتی اور یہ دونوں پیکٹس بناتے جاتے۔ انھوں نے اپنے پروڈکٹ کا نام 'کُرمُرے چپس' رکھا اور پیکٹس پر بڑی خوبصورت ڈیزائن

'کُر مُرے چپس' رکھا اور پیکٹس پر بڑی خوبصورت ڈیزائن کے ساتھ اسے پرنٹ بھی کروالیا۔ دیکھنے میں یہ پیکٹس بڑے دلکش تھے۔ تازہ آلوؤں کے چپس بھی بڑے ذائقے دار اور صفائی سے بنے ہوتے تھے۔ لیکن ایک مشکل آن پڑی۔ جب یہ دونوں دکانداروں کے پاس اپنا مال لے جاتے تو دکاندار خریدنے سے انکار کر دیتے۔ بھئی نئی اور غیر مشہور چیزوں کو کون خریدتا؟ ان کا مال پڑا رہ جاتا۔

وہ تو اچھا ہوا کہ شروعات میں انھوں نے بہت کم مال بنایا۔ اب تینوں سر جوڑ کر بیٹھے کہ کیا کیا جائے۔

انھوں نے خوب دماغ لڑایا۔ آخر کار ان کے ذہن میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔ انھوں نے اپنے پورے علاقے میں چھوٹی عمر کے تیس لڑکوں کو ایک مہینے کے لیے ایک بڑا دلچسپ اور ہلکا پھلکا کام دیا۔ اس کام کے لیے وہ انھیں کچھ معاوضہ بھی دیتے تھے۔ یہ لڑکے روزانہ علاقے کی ساری دکانوں میں 'کُر مُرے چپس' مانگتے۔ چونکہ دکاندار کے پاس 'کُر مُرے چپس' نہ ہوتے اس لیے اسے گاہک کو خالی لوٹانا پڑتا۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ کوئی بھی دکاندار اپنے گاہک کو خالی لوٹانا پسند نہیں کرتا۔ ایک مہینے تک مسلسل دکانداروں کے ذہن پر آنند اور اکرم کے 'کُر مُرے چپس' کے پیکٹ چھائے رہے۔ ایک مہینے بعد جب آنند اور اکرم دوبارہ اپنے چپس کے پیکٹس لے کر ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے بڑی تعداد میں خریداری کے آرڈر انھیں دیے۔

اس کے بعد اس علاقے کے تمام دکانداروں نے اپنی دکانوں پر 'کُر مُرے چپس' رکھنے شروع کر دیے۔ دھیرے دھیرے ان کی فروخت بڑھتی چلی گئی۔ آلو چپس کے ساتھ ساتھ انھوں نے دوسری چیزیں بھی بنانی شروع

کر دیں۔ جلد ہی وہ دن بھی آ گیا جب انھوں نے اپنے دوسرے کئی ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک کمپنی کا آغاز کر دیا۔ آج کل اسے 'اسٹارٹ اپ' بھی کہا جاتا ہے۔ اب ان کا یہ اسٹارٹ اپ بہت بڑی کمپنی میں تبدیل ہو چکا ہے۔ ان کی اس کمپنی میں سینکڑوں لوگ کام کرتے ہیں۔ ان کا کاروبار پورے ملک میں پھیل چکا ہے۔ انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ تجارت میں برکت ہوتی ہے۔ کاروبار میں کامیابی کے لیے کچھ نیا سوچنا پڑتا ہے، نئی ترکیب آزمانی پڑتی ہے۔ لوگوں کو ساتھ لے کر کام کرنے سے منافع اور ترقی دونوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ ایک انسان اور ایک گروہ کی ترقی پورے ملک کی ترقی بن جاتی ہے۔

■

Khan Hasnain Aquib
G N Azad College
Pusad- 445204
Distt.: Yavatmal (Maharashtra)
Mob.: 9423541874
hasnainaaqib1@gmail.com

محمد عامر علوی

وہ جنگل زیادہ وسیع تو نہیں تھا لیکن کچھ بڑے چھوٹے جانوروں اور پرندوں کی وجہ سے اس میں ہر وقت رونق کافی رہتی تھی۔ اس میں مختلف قسم کے پیڑ پودے بھی بڑی تعداد میں تھے جس سے وہ ہمیشہ بہت ہرا بھرا نظر آتا تھا لیکن اس میں اونچا، بھاری اور گھنا سایہ دار درخت صرف ایک ہی تھا۔ جب بھی تیز بارش یا شدید دھوپ پڑتی جنگل کے تمام چرند پرند پریشان ہوکر اس درخت سے درخواست کرتے کہ انھیں اپنے سایے میں پناہ لینے دے مگر وہ درخت سختی سے منع کر دیتا۔ کسی چڑیا، کوے یہاں تک کہ کوئل کو بھی اس کی شاخوں پر بیٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اسی لیے اس درخت کو سارا جنگل اکڑو خاں کہتا تھا۔

ایک بار موسم گرما اپنے پورے شباب پر تھا۔ بے حد شدید دھوپ پڑ رہی تھی۔ سارے جانور اور پرندے گرمی سے بے حال تھے۔ جن کے بل تھے وہ اپنے بلوں میں عافیت ڈھونڈ رہے تھے لیکن مشکل تو لومڑی، بھالو، ہاتھی جیسے جانوروں اور طوطا، گوریا، کوا جیسے پرندوں کی تھی۔ وہ ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ انھیں کہیں ذرا بھی چین نہیں مل پا رہا تھا۔ چار و ناچار وہ ایک ایک کر کے اکڑو خاں کے پاس جاتے اور اس سے اپنے سائے میں پناہ دینے کی گزارش کرتے۔ اکڑو خاں کہاں سننے والے! وہ انھیں ہمیشہ کی طرح ڈانٹ کر بھگا دیتے۔ اسی درمیان اچانک جنگل میں شور مچ گیا کہ گرمی سے لومڑی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ اس کی تیز تیز سانسیں چل رہی ہیں، یہ دیکھ کر ہاتھی دوڑا دوڑا گیا اور کہیں سے اپنی سونڈ میں پانی بھر کر لے آیا۔ اس نے کچھ پانی لومڑی کے منھ میں ڈالا اور کچھ اس کے جسم پر چھڑکا۔ گوریا بھی اڑ کر گئی اور کہیں سے انگور کا دانہ لا کر اسے کھلایا۔ بھالو نے اس کے پیروں کے تلوے زور زور سے ملنا شروع کر دیے۔ آخر کار کسی طرح وہ لومڑی کی جان بچانے میں کامیاب ہوگئے۔

گرمی کا موسم ختم ہوا تو برسات کا موسم شروع ہوگیا۔ ایک دن اتنی بھاری بارش ہوئی کہ پورا جنگل جل

تھل ہوگیا۔ تمام جانور اور پرندے اپنے اپنے ٹھکانے چھوڑ کر اِدھر اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ نہ تو ان کے پاس کہیں بیٹھنے کی جگہ تھی اور نہ ہی وہ کسی بھی طرح خود کو بھیگنے سے بچا پا رہے تھے۔ اسی درمیان گوریا اپنے بچوں کو بارش سے بچانے کی کوشش کرتے کرتے ہار چکی تھی۔ اس کو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جلدی اپنے بچوں کو کھو دے گی۔ مجبور ہوکر وہ اکڑو خاں کے پاس گئی۔ بہت روئی گڑگڑائی کہ مجھے اور میرے بچوں کو اپنے پتوں میں چھپنے کی اجازت دے دو لیکن اس نے ہمیشہ کی طرح انکار کر دیا۔ گوریا مایوس ہوکر لوٹ آئی۔ آخر قدرت کو رحم آیا۔ بارش ہلکی ہوتی گئی اور جلد ہی آسمان بادلوں سے خالی ہو گیا۔ مختصر یہ کہ گوریا کے بچے اب محفوظ ہو چکے تھے۔

برسات کا موسم گزر چکا تھا اور سردیوں کی آمد آمد تھی۔ ایک روز شدید برفیلی ہوائیں چلنے لگیں پھر زوردار برف باری بھی ہونے لگی۔ جنگل میں ہریالی کے بجائے سفیدی ہی سفیدی نظر آ رہی تھی۔ ہر کوئی پریشان تھا مگر سب سے خراب حالت جس کی ہو رہی تھی وہ تھے اکڑو خاں۔ انھیں چاروں طرف سے برف کی موٹی موٹی چادروں نے لپیٹ لیا تھا، آہستہ آہستہ ان کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ وہ بری طرح ٹھٹھر رہے تھے۔ ان کے پتے اور شاخیں برف سے جیسے گلتے جا رہے تھے۔ جانوروں اور پرندوں نے تو لکڑیاں جلا جلا کر آگ تاپنا شروع کر دیا تھا لیکن اکڑو خاں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ کسی کو ان کی حالت پر رحم بھی نہیں آ رہا تھا بلکہ بعض تو ان کا مذاق اڑانے میں مشغول تھے۔ اکڑو خاں بھی ان کی طرف ایک نظر دیکھتے اور آنکھیں نیچی کر لیتے۔ سب سمجھ ہی رہے تھے کہ وہ ان سے ہمدردی چاہتے ہیں لیکن خوش تھے کہ بڑی مشکل سے تو آیا ہے اونٹ پہاڑ کے نیچے۔ آخر جب برداشت کی حد ختم ہوگئی تو اکڑو خاں نے لومڑی سے کہا ''بہن تھوڑی آگ میرے پاس لے کر آ جاؤ''

لومڑی تو پہلے ہی اسے کھری کھری سنانے کو تیار بیٹھی تھی، دانت پیستے ہوئے بولی 'بڑا احسان کیا ہے نا تو نے مجھ پر! میں کیسے مرتے مرتے بچی ہوں، یہ تو پتہ ہی ہوگا!'' اکڑو خاں نے پھر مایوس ہوکر بھالو کی طرف رخ کیا تو بھالو نے بھی اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا 'جیسی کرنی ویسی بھرنی... بڑا نواب سمجھتا تھا خود کو۔ اچھا ہے اب بھگت!'

پھر وہ گوریا کی طرف دیکھنے لگا مگر اس خیال سے کہ گوریا کا جواب سب سے زیادہ تلخ ہوگا، کچھ کہنے کی ہمت نہیں کرپاتا۔ گوریا بھی سمجھ چکی تھی کہ یہ مجھ سے رحم کی بھیک مانگنے والا ہے، وہ خود ہی بولی 'دیکھ مجھ سے تو کوئی امید رکھنا مت! یاد تو ہوگا ہی میں ایک دن کتنا روئی اور گڑگڑائی تھی اپنے بچوں کی خاطر۔ تو نے تو انھیں مار ہی دیا تھا بس...'

یہ سب باتیں دور بیٹھا ہاتھی سن رہا تھا۔ وہ اٹھ کر آیا اور کہنے لگا 'سنو بھائیو، بہنو! جو ہوا سو ہوا۔ اب اس کی سمجھ میں آ ہی گیا ہوگا کہ ایک جگہ رہتے ہوئے مل جل کر نہ رہنا کتنا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ بس اتنی ہی سزا بہت ہے۔ اگر کہیں اس نے یوں ہی دم توڑ دیا تو ہم اپنے آپ کو معاف نہیں کر پائیں گے۔ چلو کچھ کرتے ہیں۔' ہاتھی کے سامنے کچھ بولنے کی کسی میں ہمت تو تھی نہیں، سب خواہی نہ خواہی ہاتھی کا حکم ماننے کے لیے تیار ہوگئے۔ خود ہاتھی بھی دوڑا دوڑا گیا اور کہیں سے لکڑیاں اپنی سونڈ میں باندھ کر لے آیا۔ اس نے لکڑیوں کا ڈھیر اکڑو خاں کے نیچے رکھ دیا۔ لومڑی بھی جلتی ہوئی لکڑی اٹھا کر لائی اور ان لکڑیوں کے درمیان رکھ دی۔ ہاتھی نے اپنے لمبے چوڑے کانوں سے آگ کو ہوا دی۔ چند لمحوں بعد آگ کی اونچی اونچی لپٹیں اٹھنے لگیں۔ گوریا، طوطا اور کوے نے اس کے پتے اور شاخوں پر چونچ مار مار کر جمی ہوئی برف کو توڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اکڑو خاں جسم میں گرمی سی محسوس کرنے لگے۔ انھیں ایسا لگ رہا تھا جیسے دوسری زندگی مل رہی ہو۔ ادھر برف باری بھی ختم ہوئے کافی وقت ہو چکا تھا۔ ٹھنڈ میں بھی کمی ہوتی جا رہی تھی۔ اکڑو خاں اب اچھی طرح بول سکتے تھے۔ انھوں نے سب سے معافی مانگتے ہوئے کہا 'میں آج بہت ندامت محسوس کر رہا ہوں مگر یقین کرنا کہ میرا یہ جسم و قامت صرف دیکھنے کا ہی ہے ورنہ میں اندر سے بالکل کھوکھلا ہو چکا ہوں۔ مجھے ہمیشہ یہ خدشہ رہتا ہے کہ میں کسی بھی لمحہ گر سکتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتا۔ مجھے یہ خیال رہتا ہے کہ کہیں کوئی میرے نیچے دب کر مر گیا تو کیا ہوگا۔ اب آپ اسے سچ سمجھیں یا جھوٹ، اتنا کہہ کر اکڑو خاں خاموش ہوگئے۔ چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ ان کی باتیں سن کر سب کی آنکھیں نم ہوگئیں مگر کچھ اب بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ اکڑو خاں اپنی جھینپ مٹانے کے لیے فرضی باتیں بنا رہا ہے۔

اب گرمیوں کا موسم پھر لوٹ آیا۔ رفتہ رفتہ گرمی میں اضافہ بھی ہوتا گیا۔ کچھ دنوں بعد تیز ہوائیں چلنے لگیں جو جلد ہی آندھیوں میں تبدیل ہوگئیں۔ ایک روز ایسی آندھی چلی کہ پورا جنگل ایک زوردار دھماکے سے گونج اٹھا۔ تمام چرند پرند بری طرح سہم گئے۔ چند لمحے بعد جب سب کو ہوش آیا تو دیکھا کہ اکڑو خاں زمین دوز ہو چکے تھے۔ سارے چرند پرند سر پر پیر رکھ کر بھاگے اور ماتم کرتے ہوئے اکڑو خاں کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ سبھی نے دیکھا کہ اکڑو خاں اندر سے کافی کھوکھلے ہو چکے تھے مگر ہاں جو کچھ انھوں نے اس دن کہا تھا اس میں ذرا بھی کھوکھلا پن نہیں تھا۔

■

Mohammad Aamir Alvi
F-950, Gaur Siddhartham
Siddharth Vihar
Ghaziabad - 201009 (UP)
mohammad196058@gmail.com

تربیت

زیبا ناز

بچپن میں ننو بہت نٹ کھٹ اور شرارتی تھا۔ وہ ایسے ایسے کارنامے کیا کرتا تھا کہ لوگ دنگ رہ جاتے۔ اس کے ممی پاپا تو بہت حیران و پریشان تھے۔ جہاں جاتا وہاں کوئی نہ کوئی ایسا کام کرڈالتا کہ اس کو ڈانٹ ضرور پڑتی۔ ایک روز تو اس نے اپنی دادی کے گھر جاکر باورچی خانے میں ابل رہے دودھ میں پیاز ڈال دیا، اب دودھ کس کام کا رہ گیا،لیکن دادی نے کچھ نہ کہا بلکہ ننو کو ڈھیر ساری دعائیں دی۔

اس کے برعکس کبھی کبھی ننو اتنی بڑی بڑی باتیں کیا کرتا کہ لوگ یقین نہیں کرتے کہ یہ اس کے الفاظ ہیں۔ یہ سمجھتے کہ شاید ماں باپ کا پڑھایا بول رہا ہے،لیکن ماں باپ کا دل جانتا تھا کہ انھوں نے کبھی بھول سے بھی ایسے الفاظ اس کے سامنے نہیں کہے۔

ننو شرارتی تو تھا ہی کبھی چین سے نہیں بیٹھتا تھا، کام بھی بگاڑتا تھا، پوچھ تاچھ کرنے پر سزا سے بچنے کے لیے کسی دوسرے ساتھی کے سر الزام نہ دھرتا بلکہ شیخی مارتا کہ ہاں یہ کام میں نے کیا ہے میں نے یوں کیا اور یوں کیا۔ سب اس کی بات پر ہنستے اور پیار بھی کرتے کہ ننو جھوٹ نہیں بولتا، وہ کہتا کہ ''میں صرف خدا سے ڈرتا ہوں۔''

ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے ننو کھانے پینے میں نخرے کیا کرتا، اپنی مرضی کی چیزیں کھانا اسے پسند تھا۔ جیسے کوفتے، چکن فرائی وغیرہ اب کون روز روز ایسی چیزیں بنائے۔ زیادہ مرغن غذاؤں سے صحت بھی تو خراب ہو جاتی ہے۔ زبردستی اسے کوئی کچھ نہیں کھلا سکتا تھا۔ اگر کھلا بھی دیا جاتا ،تو وہ فوراً الٹی کردیتا، کل ملا کر وہ کھانے پینے کا چور تھا۔ نہ کھانے کے دس بہانے۔ ایک دن اس کے پاپا کو ایک ترکیب سوجھی وہ یہ کہ مرغی کے چوزے پالے جائیں۔ اپنے بھائی بہن ہوتے تو ننو ان کے ساتھ کھیل کھیل میں کھانا بھی سیکھ جاتا، نخرے بھی نہیں دکھاتا۔ والدین کو اتنی فکر نہ ہوتی۔

سوچا یہ ترکیب شاید کارگر ثابت ہو کیونکہ چوزے ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتے ہی رہتے ہیں۔ ان کو اتنی بھوک لگتی ہے کہ چونچ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی۔

اگلے دن پاپا چھوٹے چھوٹے پیارے پیارے دو گول مٹول دیسی چوزے خرید لائے، ایک لال ایک براؤن بالکل مخمل جیسے ملائم تھے۔ نو انھیں دیکھ کر پھولا نہ سمایا۔ دوڑ کر باورچی خانے سے مٹھی بھر گیہوں لایا اور چوزوں کے کو لگا کھلانے، لیکن یہ کیا...؟ چوزوں نے چونچ تک نہیں ماری۔ پاپا نے کہا یہ ایسے نہیں کھائیں گے۔ ان کے حساب سے یہ دانے بہت بڑے ہیں۔ انھیں کوٹ کر باریک کرو۔ تب کھائیں گے۔ نو نے پتھر سے گیہوں کوٹے اس کام میں اس کی انگلی میں چوٹ بھی لگ گئی، لیکن اس کو کوئی افسوس نہ تھا۔ بس اس بات کا دکھ تھا کہ چوزوں نے گیہوں کو اب بھی گھاس نہ ڈالی۔ پھر نو نے انھیں کچے چاول کی کنکی ڈالی، [ٹوٹے ہوئے چاول] وہ بھی ان کی نظر میں نہیں آئی۔ نو بہت فکرمند تھا، اس کا منھ لٹک گیا۔ اس نے پاپا سے پوچھا... پاپا یہ کھائیں گے کیا آخر؟ یہ تو بہت نخریلے چوزے ہیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ پاپا یہ بھوک سے مر نہ جائیں۔

معلوم ہوا کہ یہ تو تازہ بریانی یا قیمہ اور باریک کترا لہسن پیاز جیسی چیزیں کھانے کے عادی ہیں۔ ہر چیز کو تو یہ سونگھتے بھی نہیں۔ یہ بھی نو جیسے ہی نکلے۔ مگر فرق اتنا تھا کہ یہ اپنی پسندیدہ چیزیں خوب کھاتے اور اگر کٹوری میں رکھ کر کھلائیں تو جب تک گراتے نہیں کھاتے نہیں، جبکہ نو میں یہ دونوں باتیں نہیں تھیں۔ وہ ان دونوں چوزوں کو دیکھ کر کھانا تو سیکھا نہیں، البتہ کھلانا اور کھیلنا سیکھ لیا۔ پاپا نے سوچا کہ چلو موبائل سے بچانے کا یہ اچھا طریقہ ہے کیونکہ نو کے چشمے کا نمبر برابر بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ وہ موبائل چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔

جب سے چوزے آئے وہ سارا دن چوزوں کے ساتھ ہی کھیلا کرتا کبھی انھیں ہوا میں اچھالتا کبھی اپنی آغوش میں بٹھا کر پیار کرتا چمکارتا اسکول سے آتے ہی آناً فاناً بستہ ایک طرف رکھ، نہ کپڑے تبدیل کرنے، نہ پانی، نہ کھانا، گھر میں داخل ہوتے ہی چوزوں کے پورے جسم کا بغور معائنہ کرنا اس کا روزانہ کا معمول تھا کہ غیر موجودگی میں انھیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔ ایک ایک پر کھول کر دیکھتا۔ اگر کسی پر کی جڑ میں ذرا سی بھی سرخی نظر آ جاتی تو فوراً پاؤڈر کا ڈبہ لا کر پاؤڈر چھڑکتا۔ جب وہ چوزوں کو گود میں بٹھا کر سیوا کرتا تو چوزے بہت دھیمی آواز سے چوں چوں چوں چوں کرتے کرتے، آنکھیں موند لیتے اور بہت آرام سے اپنی گردن کو ایک طرف ڈال کر پیر پھیلا دیتے۔ نو انھیں سہلاتے سہلاتے خود بھی سو جاتا۔

نو کی نیند تو گہری ہوتی وہ کئی کئی گھنٹے سوتا لیکن چوزے پہلے ہی اٹھ جاتے اور بستر پر گندگی کر دیتے وہ جب سو کر اٹھتا تو معلوم ہوتا کہ چوزوں نے تو کام بڑھا دیا ہے۔ ممی دیکھتیں تو انھیں بہت غصہ آتا اور نو پر ڈانٹ پڑتی۔ نو ممی سے معافی مانگ لیتا لیکن اگلے ہی پل سب کچھ بھول بھال کر کھیل میں مست ہو جاتا، اسے اپنے ہوم ورک کی بھی فکر نہ ہوتی۔ کبھی ان دونوں چوزوں کو وہ اپنے دونوں کندھوں پر رکھ لیتا اور موبائل سے ویڈیو بناتا اس کام سے اسے دوگنی خوشی حاصل ہوتی کیونکہ موبائل بھی ہاتھ میں اور چوزے بھی قریب۔

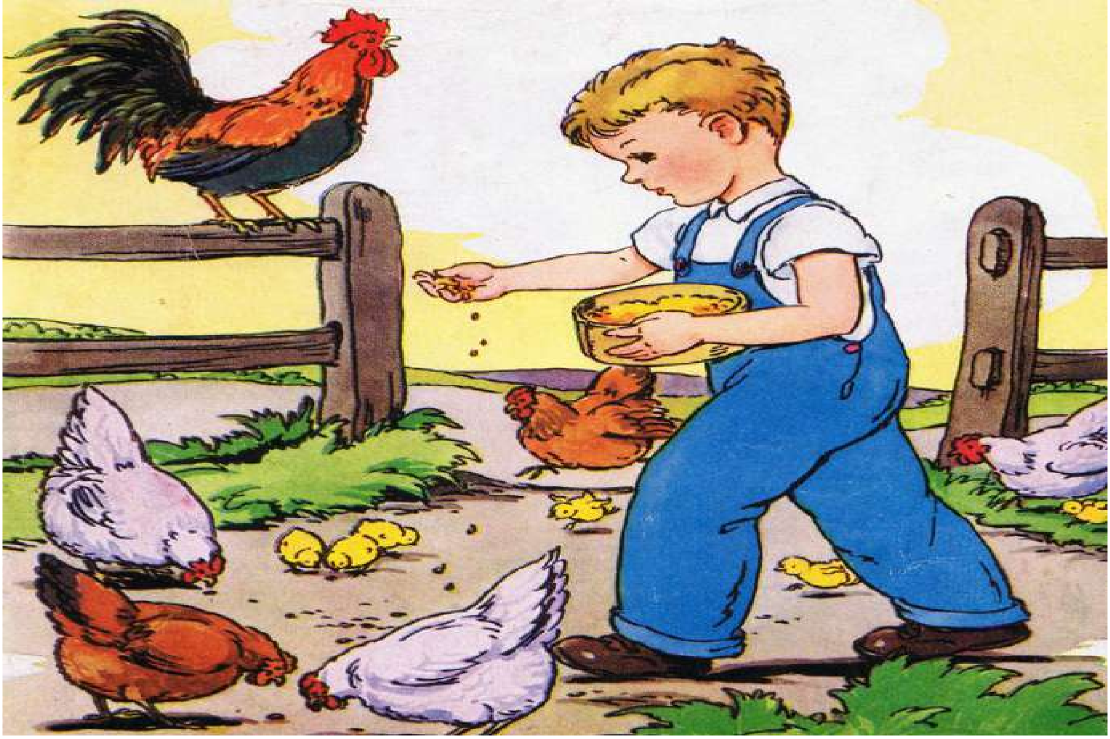

زیادہ کھیل کود سے چوزوں کی بھی عادت بگڑ گئی تھی۔

پہلے تو وہ خوب کھاتے تھے کبھی کبھی باسی چاول اور باسی روٹی بھی کھا جاتے تھے، لیکن اب ان کے گال موٹے ہونے لگے تھے۔ پسند اور ناپسند کا اظہار بھی اب ان کی جانب سے ہونے لگا تھا۔

چوزے پہلے تو صرف صحن میں ہی دھما چوکڑی مچایا کرتے تھے، اب وہ کمرے میں داخل ہوجاتے اور ہر وقت پیروں میں الجھتے۔ ان کی اس گندی عادت کی وجہ سے ممی ننو کے اسکول جاتے ہی انھیں بند کرادیتیں اور ننو سے بھی یہی کہتیں کہ ہر وقت نہ کھیلا کرو، تھوڑی دیر کھیل کر انھیں بند کردیا کرو، بہت گندگی پھیلاتے ہیں یہ... لیکن وہ تو انھیں اپنی گود سے ہی نہ اترنے دیتا تھا، چوزے بازی روز بروز بڑھتی ہی جارہی تھی۔ پاپا نے اس کے شوق کی تسکین کے لیے دو چوزے اور لاکر دے دیے۔ دراصل انھیں بھی ایسی چیزیں پالنے کا بہت شوق تھا اور اس وقت انھیں ضرورت بھی تھی، ڈاکٹر نے دیسی انڈے کھانے کو جو کہہ دیا تھا۔ دیسی انڈوں کا معاملہ بھی عجیب ہے بیچنے والا کہتا ہے کہ یہ دیسی ہیں، خریدنے والا کہتا ہے نہیں یہ دیسی نہیں ہیں۔ پاپا نے اس تنازعہ سے بچنے اور تسکینِ قلب حاصل کرنے کے لیے سوچا کہ گھر میں دیسی مرغی ہوگی تو انڈوں میں کیا شک وشبہ...!

ایک دن تو وہ ننو سے کبوتر کا جوڑا لانے کی بات کررہے تھے، وہ تو ممی نے روک دیا ورنہ گھر کو چڑیا گھر بنتے دیر نہیں لگتی۔ بہرحال چوزے جب گھر میں آئے، تو ننو کے پہلے والے چوزے ان سے ڈرنے لگے کیونکہ یہ تھے بھی لمبے چوڑے رنگ روپ بھی ان کا الگ تھا، پنجے

اور چونچ بالکل کالی، نہایت پھرتیلے، لیکن آتے ہی یہ چوزے بھی ڈرے سہمے ایک کونے میں کھڑے رہے، رات کو جب نِنو نے چاروں کو ایک ہی دربہ میں بند کردیا، تو صبح ان میں تھوڑی دوستی اور درگزر کرنے کا جذبہ نظر آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کچھ دن میں چاروں کا آپس میں ڈر خوف بالکل ختم ہو چکا تھا۔ بلکہ اب تو چوزے عمر میں بڑے ہونے کا فائدہ اٹھانے لگے اور وہ دونوں چھوٹے چوزوں پر چونچ مارنے لگے اور اپنے آگے سے نہ کھا کر، ان کے آگے سے کھانے لگے گویا وہ انھیں بے دخل کرنا چاہتے ہوں، لیکن وہ چوزے عمر میں چھوٹے تھے تو کیا؟ مالکانہ حیثیت تھی ان کی کیونکہ دخل اس گھر میں انھیں کا پہلے تھا، وہ ان کے دباؤ میں کیوں کر آنے لگے، لہٰذا وہ بھی اپنی جرأت کا مظاہرہ کرنے لگے۔

نِنو نے کھاتے وقت کی جنگ سے بچانے کے لیے چوزوں کی کٹوری الگ بنائی اور چھوٹے چوزوں کی کٹوری الگ۔ ایک کٹوری پورب میں تو دوسری پچھّم میں۔ ایسا کرنے سے کھاتے وقت کی لڑائی سے تو ان کو بچا لیا گیا، لیکن ان کے کھانے کا مخصوص وقت تو ہوتا نہیں ہے۔ جب تک بند نہ کیا جائے کھاتے ہی رہتے ہیں۔ خیر... الگ الگ رکھنے سے عادت، خصلت اور دونوں جوڑوں کی تربیت صاف نظر آنے لگی۔ چوزے بہت سلیقے سے کھاتے، ایک بھی دانہ گرنے نہیں دیتے، تازہ ہو یا باسی ہر چیز کھاتے اور کھاتے ہی رہتے، جبکہ نِنو کے پہلے والے چوزوں کی عادت اچھی نہ تھی۔ ایک تو وہ ہر چیز کھاتے نہیں تھے، مرضی کی چیز چاہیے۔ جب تک کٹوری کا سارا دانہ، کھانا گرا نہیں دیتے اور پنجوں سے پھیلا نہیں دیتے انھیں صبر ہی نہیں آتا۔ نِنو نے انھیں کھانے کا سلیقہ سکھانے کے لیے ان کی کٹوری ختم کر دی اور انھیں بہاری چوزوں کے ساتھ ہی کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔ بہاری چوزوں کی چونچ مشین کی طرح تیز تیز کام کر رہی تھیں۔ انھیں ادھر ادھر دیکھنے کی فرصت ہی نہ تھی، وہ تو پورے دھیان سے کٹوری صاف کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ یہ بھی انھیں دیکھ کر ڈرتے۔ ڈرتے کھانے میں لگ گئے۔ ڈر اس بات کا تھا کہ کٹوری کے اصل حقدار وہ تھے، گرانے کا موقع ہی نہ تھا کٹوری کھالی ہو جانے پر تھوڑا سا دانہ اور ڈال دیا جاتا۔ چاروں چوزے ایک ساتھ کھانے لگے، چھوٹے چوزے اپنی پسند اور ناپسند کا خیال بھی بھول گئے۔ اب نِنو کو لگا کہ ان کی تربیت ہو چکی۔ اس خیال سے اس نے اپنے پرانے چوزوں کو الگ کٹوری میں کھلایا تو انھوں نے دانہ بالکل نہیں گرایا اور وہ اب ہر چیز کھانے بھی لگے تھے۔ نئے چوزوں نے آ کر ان چوزوں کی عادت درست کر دی تھی۔ یہ دیکھ کر نِنو بہت خوش ہوا...! اور ممی کو سب کچھ بتایا۔ ممی نے کہا ہاں بیٹا اچھی اور بری عادت جیسے انسانوں میں ہوتی ہے۔ ویسے ہی جانوروں اور پرندوں میں بھی صاف نظر آتی ہے اور صحبت کا اثر سب پر ہوتا ہے۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی سیکھتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں بھی اچھے دوست بنانے چاہئیں۔

■

Dr Zaiba Naaz
Nai Basti Bada Shah Safa
Moradabad - 244001(UP)
Mobile.: 9634191717
dr.zaibanaaz@gmail.com

شفیق الرحمن کھاگوی

کہانی

گلابی سوئیٹر

جنوری کا پہلا ہفتہ کہرے اور ٹھنڈی میں لپٹا ہوا گزر رہا تھا۔لیکن آج کچھ زیادہ ہی ٹھنڈک تھی، ہڈیوں میں پیوست ہونے والی۔ پوسٹ آفس جا کر اپنا آدھار کارڈ ٹھیک کرانا تھا اس لیے مریضوں کو جلدی نپٹا کر کلینک سے باہر نکلا۔ GPO پہنچا، وہاں لائن لمبی تھی۔ اپنے کاغذات جمع کر کے ٹوکن لیا اور برآمدے کے باہر اسٹیل کی بینچ میں بیٹھ گیا جو کہ برف کی طرح ٹھنڈی ہو رہی تھی اور اپنی باری کی پکار کا انتظار کرنے لگا۔

چاروں طرف نظر دوڑائی ہر طرح کے لوگ موجود تھے، لیکن میری نظر سامنے والے بینچ پر بیٹھی ہوئی ایک 5,6 سال کی لڑکی پر رک گئی۔ وہ کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی اور مسلسل کاؤنٹر کی کھڑکی کی طرف نظر جمائے ہوئے تھی۔ ٹھنڈ سے اپنا دوپٹہ، جو کہ کئی جگہ سے سلا ہوا تھا اپنے چاروں طرف لپیٹے ہوئے تھی۔ میں نے اس کا دھیان توڑتے ہوئے پوچھا ''تم کو آدھار کارڈ بنوانا ہے؟''

''نہیں'' اس نے کہا ''بابا کا بن گیا ہے، لینے آئی ہوں۔ میں نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا 'تارا'

اسی دوران ایک چپراسی نے اعلان کیا'' سمے سماپت ہو گیا ہے، آپ لوگ کل حاضر ہوں'' سب لوگ اٹھ کھڑے

ہوئے۔ میں بھی اٹھ گیا اور گیٹ کی طرف بڑھا۔ وہ لڑکی مجھے نظر نہیں آئی۔ گیٹ کے باہر فٹ پاتھ پر لگی ایک گارمنٹ کی دکان پر وہ کھڑی تھی۔ میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ میں نے کہا ''یہاں تو سوئیٹر اچھے ہیں'' وہ چونک گئی۔ میری طرف دیکھ کر بولی ''ہاں بہت اچھے ہیں۔''

میں نے ''تمھیں کوئی پسند ہے، کیا تم لوگی...؟''

اس نے کہا ''نہیں...''

''اچھا یہ بتاؤ تمھیں کون سی اچھی دکھتی ہے؟...'' میں نے پوچھا۔

اس نے گلابی سوئیٹر کی طرف انگلی کا اشارہ کیا۔ ''وہ والی...''

دکاندار نے کہا ''صاحب جی اس کا تو بس ایک ہی رنگ بچا ہے۔ ''بہت بڑھیا سوئیٹر ہے۔'' میں نے دکاندار سے وہ سوئیٹر پیک کروایا اور اسے اس لڑکی یعنی تارا کو دینے کے لیے مڑا تو دیکھا کہ وہ دور آگے جا رہی تھی۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر آواز دی۔ وہ رک گئی ''یہ لو، میں نے یہ تمھارے لیے لیا ہے۔ آج بہت سردی ہے نا۔'' اس نے سر جھکا کر سر ہلاتے ہوئے کہا ''نہیں۔ میں یہ نہیں لوں گی۔'' وہ چلنے کے لیے مڑی۔ میں نے اسے زور دے کر کہا کہ ''تم ابھی لے لو اسے۔ جب سردی ختم ہو جائے تو مجھے واپس دے دینا۔'' اس نے کہا: ''لیکن میں تم کو تو جانتی بھی نہیں؟ پھر اس کو کیسے لوٹاؤں گی؟...''

''میں تم کو ڈھونڈ لوں گا۔'' یہ کہہ کر میں نے سوئیٹر اس کی طرف بڑھایا۔ منع کرتے اور ہچکچاتے ہوئے اس نے بہرکیف وہ سوئیٹر لے لیا اور میں واپس اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔

دوسرے دن صبح ہی پوسٹ آفس پہنچا اور گیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس گارمنٹ کی دکان کی طرف اچانک میری نظر اٹھ گئی۔ اسی جگہ گلابی سوئیٹر ٹنگا تھا۔ میں نے رک کر دکاندار سے شکایت بھرے الفاظ میں کہا ''کل تو تم کہہ رہے تھے کہ یہ ایک ہی سوئیٹر بچا ہے پھر یہ دوسرا کیسے؟...''

اس نے کہا ''ابھی ابھی وہی لڑکی آئی تھی اور یہ سوئیٹر واپس کر گئی ہے اور پیسے بھی لے گئی ہے۔''

اس نے چوراہے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''دیکھیے وہ جا رہی ہے'' میں لمبے قدم بڑھاتا ہوا اس کی طرف چل دیا۔ لیکن میں سوچ میں الجھ گیا 'کیا میں نے غلطی کی جو رحم کھا کر اس کو سوئیٹر دلا دیا؟' ایسے لوگوں کا کام یہی ہے، دھوکے سے پیسے لینا۔' پھر میں نے خود سے کہا 'اس نے تو نہیں کہا تھا کہ مجھ پر رحم کھاؤ اور سوئیٹر دلا دو تا کہ میں اس کو واپس بیچ کر پیسے حاصل کروں۔ میں رک گیا۔ خود کو ملامت کرنے لگا۔ مجھے تو اس میں اپنی پیاری بیٹی کی شکل نظر آئی تھی جو خود آٹزم (Autism) میں مبتلا ہے۔ میری آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اسی وقت ایک آدمی مجھ سے ٹکرایا اور بولتے ہوئے گزر گیا ''دیکھ کر چلتے نہیں۔'' آگے دیکھا تو وہ چوراہے کے ایک میڈیکل شاپ سے باہر نکل رہی تھی۔ جب تک کہ میں اس کے پاس پہنچتا وہ بگل والی گلی میں جا چکی تھی۔ میں میڈیکل شاپ میں داخل ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی کاؤنٹر پر بیٹھا شخص اٹھ کر کھڑا

کہانی

ہوگیا۔ تعجب سے میری طرف دیکھ کر بولا ''ڈاکٹر صاحب آپ یہاں . . . ؟؟ کیا بات ہے؟ کوئی دوا...؟'' شاید وہ مجھے جانتا تھا۔ میں نے کہا ''نہیں۔'' ذرا یہ بتایئے کہ ابھی جولڑکی آپ کے شاپ سے گئی ہے وہ...'' میں نے اس سے پوچھا۔

''وہ یہ دوائیں لے گئی ہے عجلت میں یہ پرچہ بھول گئی ہے۔'' اس نے ایک پرچہ دکھاتے ہوئے بولا ''اوہ؟'' میں چونک گیا اور کچھ مزید پوچھے بغیر دوا کی دکان سے باہر نکلا اور گلی کی طرف مڑگیا آگے ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے کچھ لوگ جمع تھے۔ وہیں بغل میں ایک رکشہ بھی کھڑا تھا۔

میں نے ایک آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا ''کیا بات ہے۔ یہ بھیڑ کیسی؟'' وہ بولا۔

''بے چارہ! للّو رکشہ والا، اپنی اکلوتی بیٹی کو چھوڑ کر اللہ کو پیارا ہوگیا..... منھ کا کینسر تھا، رکشہ بھی مشکل سے چلا پاتا تھا۔ علاج کہاں سے کراپاتا اور وہ بولے جارہا تھا۔'' اس شہر میں جسے دیکھیے کھینی (گٹکا) کا عادی ہوگیا ہے۔''

میں جیسے گنگ سا ہوگیا تھا۔

■

Prof. Dr. Shafiq-ur-Rehman
Medisa, Behind JN Medical College
Hadi Hasan Road
Aligarh - 202002 (UP)
Mob.: 6398962334
shafiqii@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا/ چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.. بتاریخ..

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے 90092010045326 :A/C، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

نظم

عبدالرزاق دل کھولاپوری

سردی کا موسم مَن کو بھائے

لو بھئی ببلو سردی آئی
کھاؤ میوہ، حلوہ، ملائی

شال دوشالے اوڑھ کے نکلو
گرم رضائی چھوڑ کے نکلو

سیر کو نکلو صبح سویرے
اور لگاؤ، جم کے پھیرے

سردی کا موسم من بھائے
سال میں یہ اک بار ہی آئے

گھاس پہ شبنم جاکر دیکھو
ننگے پیروں چل کر دیکھو

چھوئے بدن سورج کی شعاعیں
آؤ ان کرنوں میں نہائیں

پھلوں کی منڈی چلو چلیں گے
جامن اور امرود ملیں گے

سردی میں دل کھولاپوری
کھائے کھلائے حلوہ پوری

■

Abdur Razzaque Dil Kholapuri
At-Post: Kholapur
Taq: Bhatkuli
Distt.: Amravati - 444802 (MS)
Mob.: 7304485318

نصیر احمد عادل

پیڑ لگائیں

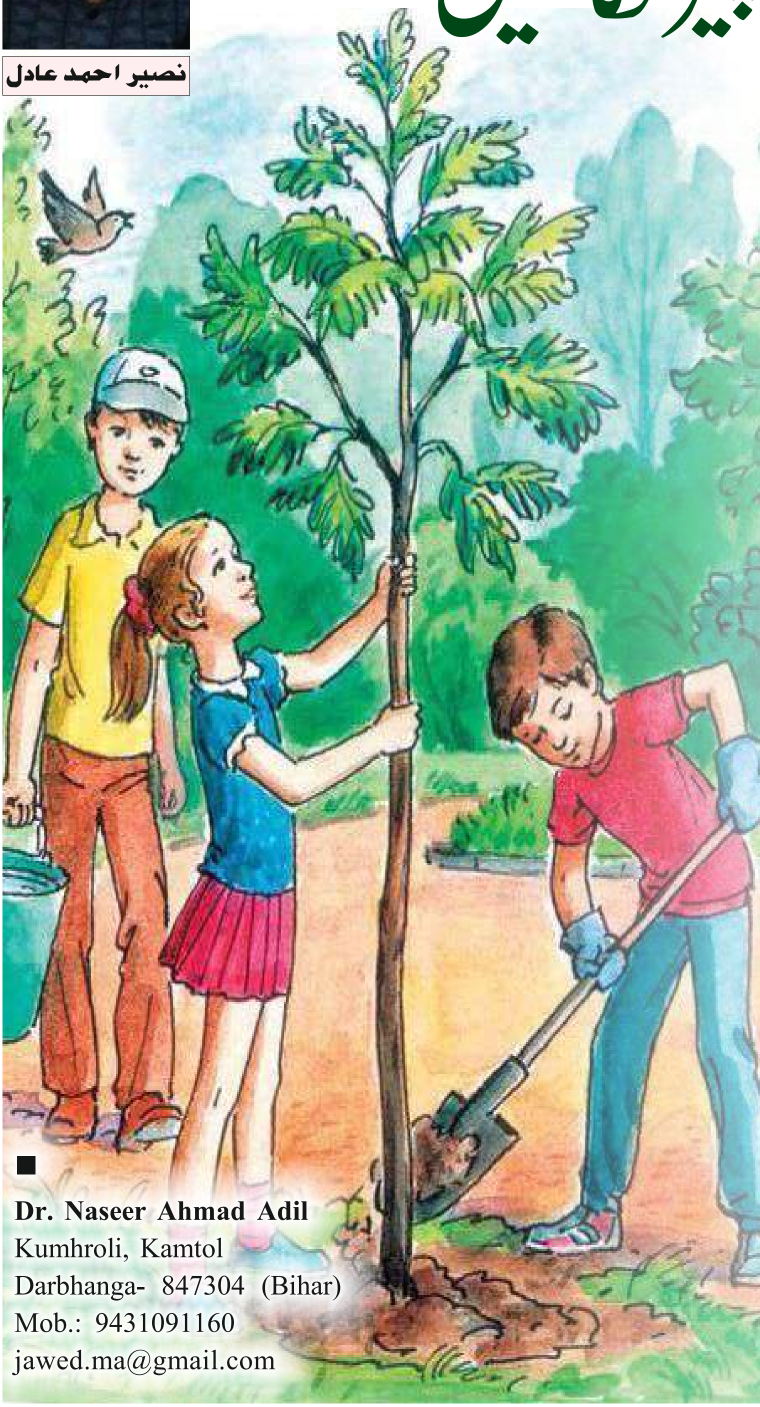

آ ؤ بچو! پیڑ لگائیں
ہر دل میں یہ جوت جگائیں
پیڑ وہ سایہ دار مگر ہو
جس جا کوئی خوف نہ ڈر ہو
امن وسکوں ہو جس کے نیچے
چین سے بیٹھیں آنکھیں میچے
جس جا ہو نہ دھوپ کی شدت
سب کو ہی محسوس ہو راحت
شاخیں جس کی خوب ہوں پھیلی
پھل دیتی ہوں ڈالی ڈالی
پھل دیتا ہو پیڑ ہو ایسا
جس کا گودا خوب ہو میٹھا
بیٹھیں سب بے خوف جہاں پر
ذکر ہو جس کا سب کی زباں پر
بیٹھیں سب تفریق بھلا کر
دل سے شکوے دور بھگا کر
جس سے دنیا لطف اٹھائے
پیڑ جو سارے جگ کو بھائے
بھائی چارہ اور محبت
پھیلے گھر گھر جس سے الفت
عادل ایسے گیت سناؤ
جس سے سب کو ایک بناؤ

■

Dr. Naseer Ahmad Adil
Kumhroli, Kamtol
Darbhanga- 847304 (Bihar)
Mob.: 9431091160
jawed.ma@gmail.com

نظم

سردی آئی سردی آئی

انعامدار رخسانہ ساجد

دیکھو سب کے من کو بھائی
بچے بوڑھے کانپ رہے ہیں
گھر کا رستہ ناپ رہے ہیں
صبح سویرے سوئٹر پہنے
بچے سب اسکول کو نکلے
سوئٹر مفلر کی رنگینی
کتنی ان کی شان نرالی
بازاروں میں پھل ہیں سارے
پیرو شریفہ پیارے پیارے
امی نے حلوہ بنوایا
ابو نے بھی مزے سے کھایا
باجی توڑ رہی ہے سبزی
چائے نانی کی بے چینی
گھر میں بھاگم بھاگ مچی ہے
مکتب جانے کی جلدی ہے
سورج چاچو کو بھی جلدی
کھیل رہے ہیں آنکھ مچولی
رات بڑی اور ہیں دن چھوٹے
اوڑھو بچّو! کمبل موٹے

■
Inamdar Rukhsana Sajid
Sr.No.110 Ramtekdi, Near Vithal Mandir
Hadapser
Pune- 411013 (Maharashtra)
Mob.: 9325300267
inamdarrukhsana@gmail.com

نظم

صبح سویرے

ساحر داؤد نگری

چوں چوں کرتی آتی ہیں
چڑیاں شور مچاتی ہیں
صبح سویرے آنگن میں
دانہ پانی پاتی ہیں
دعوت خوب اڑاتی ہیں
امی کے گن گاتی ہیں
میں جلدی اٹھ جاتا ہوں
آنکھیں مَلتا آتا ہوں
وہ جو ہمیشہ سنتا ہوں
گیت وہی دہراتا ہوں
من ہی من مسکاتا ہوں
اندر تک سکھ پاتا ہوں
کھیل یہ اچھا لگتا ہے
سیدھا سچا لگتا ہے
سندر سپنا لگتا ہے

■

Sahir Daudnagri
9/322, Lalita Park, Laxmi Nagar
Delhi -110092
Mob.: 8800489404
sahirdaudnagri1969@gmail.com

سردی آئی

ناصرالدین قمرالدین ناصر

سردی آئی سردی آئی
آگ جلا کر گرمی لائی
کہرا بادل اور پرچھائی
قہوہ پی کر گرمی آئی
امی ابو بچے سارے
کمبل اوڑھے بھائی بھائی
بند ہیں کھڑکی دروازے سب
مچھر نے پھر دھوم مچائی
مجھ سے بچ کر کیسے بھاگے
ڈینگو کی دہشت پھر چھائی
چنو منو فر فر پڑھتے
بچوں کی دنیا ’جوپائی‘
ناصر نے اس کو بھی پڑھ کر
پڑھنے کی پھر جوت جگائی

■

Nasiruddin Qamruddin
Malkapur- 443191
Distt.: Buldana (Maharashtra)
Mob.: 9860170513
drnasir161166@gmail.com

نہاں رباب

نظم

پنچھی خوش رنگ

ننھے منے، پیارے پیارے
پنچھی جو ہیں پنکھ پسارے
نیلے پیلے پنکھوں والے
لال گلابی رنگوں والے
ننھے ننھے بھولے بھالے
پھولوں جیسے پھولے پھولے
مرچی جیسی چونچ ہے جن کی
تاروں جیسی آنکھیں جن کی
چوں چوں چیں چیں جن کی بولی
نغموں جیسی میٹھی میٹھی
شکر جیسی، مصری جیسی
صورت جن کی بھولی بھالی
بالکل لگتیں پریوں والی
کتنی دلکش، کیسی نرالی
چال بہت جن کی متوالی
اک چڑیا تو رانی جیسی
بالکل میری منی جیسی
دیکھ کے جس کو خوب پھدکتی

ننھی منی بٹیا میری
ہنستی گاتی چیں چیں کرتی
بٹیا بھی تو چڑیا لگتی
ایک علی کو بھی ہے پیاری
سب سے اچھی، سب میں نیاری
جس پر جان علی ہے وارے
دیکھو وہ ہے پنکھ پسارے
دیکھو وہ کچھ بول رہی ہے
چونچ وہ اپنی کھول رہی ہے
تتلی اس کی گھوم رہی ہے
جیسے وہ کچھ ڈھونڈ رہی ہے
حال علی کا بھی ایسا ہے
وہ بھی اس پر خوب فدا ہے

■

Neha (Neha Rubab)
Department of Urdu
University of Allahabad
Pyaragraj- 211002 (U.P)
Mob.: 7985966630
nehaansariali@gmail.com

نعیمہ جعفری پاشا

امیدوں کا تاجر

(پردہ اٹھتا ہے)

منظر: 1

(ایک سات فٹ چوڑی دس فٹ لمبی دکان بازار میں۔ صبح دس بجے کا وقت ہے۔ دکان کے سامنے کے حصے میں دو کاؤنٹر ہیں۔ پہلے کاؤنٹر پر گھڑی سازی کا سامان سجا ہے۔ ایک کونے میں گتے کا بورڈ لٹک رہا ہے، لکھا ہے 'گھڑیوں کی مرمت'۔ بائیس تیئس سال کا ایک خوش رو نوجوان آنکھ پر شیشہ چڑھائے ایک گھڑی درست کررہا ہے۔ دوسرے کاؤنٹر پر اٹھارہ سالہ پستہ قد، قدرے موٹا لڑکا پوری توجہ سے سامنے پھیلے ہوئے چارٹ پر پنسل اور اسکیل کی مدد سے نقشہ بنا رہا ہے۔ ایک طرف چارٹ پیپر کے رول رکھے ہیں۔ بورڈ پر لکھا ہے 'مکان اور دکانوں کے نقشے بنوائیں'۔ لڑکا اپنے کام میں اتنا مصروف ہے کہ اسے آس پاس کا کوئی ہوش نہیں ہے۔''

پیچھے کی دیوار پر ایک کیلنڈر ٹنگا ہے اور کونے میں ایک بیساکھی رکھی ہے۔ ایک طرف ایک دروازہ ہے جس پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ سامنے کی سیڑھی چڑھ کر ایک ہٹا کٹا ادھیڑ عمر کا بھکاری جس کے جسم پر میلا کچیلا بنیان اور تہمد ہے داخل ہوتا ہے)

بھکاری: اللہ بھلا کرے، میاں جی کچھ مدد کردو۔ دو دن سے بھوکا ہوں۔

گھڑی ساز راشد: ارے تم پھر آ گئے۔ بھائی ابھی تو ہماری بھی کوئی آمدنی نہیں ہوئی۔ تمھیں کہاں سے دے دیں۔

بھکاری: بچے بھوکے ہیں۔ بھگوان کرے گا، تمھارا دن بہت اچھا کٹے گا۔

راشد: میں نے کہا نا ابھی تو میری ہی جیب خالی ہے۔ میں

نے پچھلے دن بھی تم سے کہا تھا۔ جوان ہو تندرست ہو کوئی کام دھندا کیوں نہیں کرتے؟

بھکاری: میاں جی، مجبوری میں ہاتھ پھیلا رہا ہوں۔ بچے دو دن سے بھوکے ہیں۔ چھنگلا ہوں، میرے ایک ہاتھ میں چھ انگلیاں ہیں۔ اوشگن سمجھا جاتا ہے، مجھے کوئی کام نہیں دیتا۔

راشد: بہانے بنانا تو کوئی تم لوگوں سے سیکھے۔ میں ابھی تمھیں اپنے چاچا کے گودام میں لے جاتا ہوں۔ وہ چھ انگلیوں کو نہیں مانتے۔ تمھیں کام ضرور ملے گا اگر کرنا چاہو۔ ذرا ٹھہرو۔ ابھی دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہوجائے گا۔ تم لوگوں کی تو وہ مثل ہے۔ 'ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا'۔

بھکاری: میاں جی کام دلوادو، بھگوان قسم بھیک نہیں مانگوں گا۔

راشد: پانچ منٹ ٹھہرو، ایک گاہک آنے والا ہے بھائی کے پاس۔ اسے میری مدد کی ضرورت ہوگی۔

(راشد نقشہ ساز لڑکے کی طرف اشارہ کرتا ہے)

اسی وقت ایک بزرگ دکان میں داخل ہوتے ہیں (راشد سے)

بزرگ: اپنے بھائی سے پوچھو میرے مکان کا نقشہ تیار ہوگیا یا نہیں۔

(راشد بھائی کا کندھا چھوکر ہاتھ انگلیوں کے اشارے بات کرتا ہے۔ لڑکا نقشے کا ایک رول اٹھا کر راشد کو دیتا ہے۔ راشد نقشہ کھول کر بزرگ کو دکھاتا ہے)۔

بزرگ خوش ہوکر: تمھارے بھائی کے ہاتھ میں بہت صفائی ہے۔ سچ ہے خدا ایک صلاحیت سے محروم کرتا ہے تو دوسری صلاحیت عطا کردیتا ہے۔ ہمت مرداں مدد خدا۔

(بزرگ کچھ نوٹ لڑکے کو دے کر چلے جاتے ہیں۔ بھکاری حیرت سے لڑکے کو دیکھتا ہے پھر اس کی نظر نوٹوں پر جم جاتی ہے۔ اسی وقت دھوتی کرتا اور گلے میں گمچھا ڈالے ماتھے پر سندور کا تلک لگائے ایک نوجوان دکان میں داخل ہوتا ہے)

جوان: کہو راشد کیسے ہو؟

راشد: (آنکھ سے شیشہ اتارتے ہوئے) ارے منوہر بھیا آپ! صبح صبح ادھر کیسے؟

منوہر: تمھارا پڑوسی بن گیا ہوں۔ میں نے بھی اس بازار میں ہارڈویئر کی دکان کھولی ہے۔ آج پوجا تھی۔ لو لڈو کھاؤ۔

(منوہر لڈو کا ڈبہ آگے بڑھاتا ہے۔ راشد ایک لڈو بھائی کو اور دوسرا بھکاری کو دیتا ہے)

راشد: بہت مبارک ہو منوہر بھیا۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ رہیں گے تو سہارا رہے گا۔

منوہر: (نقشہ بناتے ہوئے لڑکے کو دیکھتے ہوئے) تم نے شاہد کو بھی کام پر لگا دیا۔ یہ بہت اچھا کیا۔ مان گئے راشد تم سوکھے تلوں سے بھی تیل نکالنا جانتے ہو۔

راشد: اوپر والے کی مہربانی سے منوہر بھیا۔ ہاتھ میں ہنر آ گیا۔ کسی کا محتاج نہیں رہے گا۔

(راشد چائے والے لڑکے سے چائے اور پاپے منگواتا ہے۔ منوہر اور شاہد کے ساتھ بھکاری کو بھی چائے اور دو پاپے تھما دیتا ہے۔ اسی وقت ایک بوڑھی عورت ایک نابینا بچے کا ہاتھ تھامے دکان

میں داخل ہوتی ہے)۔

عورت: بیٹا اللہ کے نام پر بھگوان کے نام پر کچھ دے دے۔ہم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔

منوہر: (برا سا منہ بنا کر) صبح دکان کھولتے ہی بونی ہونے سے پہلے ان لوگوں کے درشن ہوجاتے ہیں (دو روپیہ کا سکہ بڑھیا کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے)

راشد: اماں تم کچھ کام کاج کیوں نہیں کرتی۔اپنے ساتھ اس بچے کو بھی بھکاری بنا رہی ہو۔

بڑھیا: ارے بیٹا، یہ جنم کا اندھا، ماں باپ کو کھا گیا۔اس کی تو تقدیر میں بھیک مانگنا ہی لکھا ہے۔مجھے سانس کی بیماری ہے۔کام نہیں ہوتا۔

منوہر: اماں! سرکار نے اس جیسے بچوں کے لیے وشیش اسکول کھول رکھے ہیں۔سب کچھ سکھایا جاتا ہے وہاں۔کھانا اور ڈریس بھی مفت مل جاتا ہے۔

بڑھیا: بیٹا یہاں پیٹ کو روٹی نہیں ہے۔اسکول کا خرچہ کہاں سے آئے گا؟

منوہر: ماں جی آج سے آپ کا پوتا ہم دکان داروں کی ذمے داری ہے اور راشد کی بہن تو ایسے ہی اسکول میں پڑھاتی ہے۔

بچہ: کیا سچ میں بابو جی، میں بھی اسکول جا سکتا ہوں؟

راشد اور منوہر: ضرور جا سکتے ہو۔

راشد: تم میری بہن کے ساتھ آج ہی جاؤ، وہ فارم بھروا دے گی۔

(منوہر جاتا ہے، دکان کے پچھلے دروازے کا پردہ ہٹتا ہے)

پچیس سالہ لڑکی آنکھوں پر کالا چشمہ لگائے باہر آتی ہے۔کاندھے پر جھولا پڑا ہے۔

لڑکی: راشد میں اسکول جا رہی ہوں۔کھانا تیار ہے۔تم دونوں کھا لینا۔مجھے دیر ہو جائے گی۔آج بچوں کا ٹیسٹ ہے۔

راشد: روبی دیدی، آج آپ کا ایک نیا شاگرد بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔

(لڑکی سیڑھی پر پہنچ کر فولڈنگ چھڑی کھولتی ہے اور چھڑی سے محسوس کر کے آگے بڑھتی ہے)

راشد (بچے کا ہاتھ روبی کو پکڑاتے ہوئے) سنبھالیے دیدی۔ یہ منا ہے۔اب آپ کے ساتھ ہی جایا کرے گا۔

(لڑکی منا کے سر پر مسکرا کر ہاتھ رکھتی ہے اور ہاتھ پکڑ کر چھڑی سے راستہ بناتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ بوڑھی عورت بھی دعائیں دیتی ہوئی جاتی ہے)۔

ان کے جانے کے بعد راشد کونے سے بیساکھی اٹھاتا ہے۔انتظار کرتے ہوئے بھکاری سے)

راشد: چلو بھائی تمھیں بھی چاچا کے گودام پہنچا دوں۔

بھکاری: (جیسے خواب سے چونک کر) نہیں بابو جی آپ کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آنکھوں والا اندھا تھا۔آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔

(بھکاری چلا جاتا ہے)۔

(پردہ گرتا ہے)

■

Dr. Naima Jafri Pasha
141 Ground Floor, Pocket - 2
Jasola , New Delhi - 110025
Mob.: 9911802189
naimajafripasha@gmail.com

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔

1. سری نگر کس ندی کے کنارے واقع ہے؟
2. سنترے اور لیموں میں کون سا وٹامن پایا جاتا ہے؟
3. مکڑی کی کتنی ٹانگیں ہوتی ہیں؟
4. رابندر ناتھ ٹیگور کو کس سال نوبل انعام دیا گیا؟
5. سب سے پہلا نوبل انعام کسے دیا گیا؟
6. دلیپ ٹرافی کس کھیل کا ٹورنامنٹ ہے؟
7. ایک ٹیم کی طرف سے والی بال میں کتنے کھلاڑی ہوتے ہیں؟
8. روٹی کا بنیادی جزو کیا ہوتا ہے؟
9. ہندوستان کا سب سے بڑا زولوجیکل پارک کہاں ہے؟
10. ریڈ کراس کا نشان کس چیز کی علامت ہے؟
11. ہندوستان میں پہلا ہوائی جہاز کب اڑا؟
12. لکھنؤ کس ندی کے کنارے واقع ہے؟
13. رومیو اینڈ جولیٹ ڈراما کس نے لکھا؟
14. RTI کا فل فارم کیا ہے؟
15. سب سے پہلے خلا میں پہنچنے والے شخص کا نام بتائیں؟
16. انڈیا گیٹ کہاں واقع ہے؟
17. این سی پی یو ایل کا قیام کب عمل میں آیا؟
18. آرمی ڈے کب منایا جاتا ہے؟
19. پانی کا کیمیائی فامولا کیا ہے؟
20. ہندوستان میں Man of Iran کسے کہا جاتا ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 18 پر ملاحظہ فرمائیں)

محمود اختر جلال پوری

صحت

تندرستی کا راز

آپ نے کبھی سوچا ہے کہ کچھ لوگ اکثر بیمار رہتے ہیں اور کچھ لوگ ہر موسم میں تندرست و توانا رہتے ہیں۔ کوئی بھی انسان ہو اگر اس کی قوت مدافعت کمزور ہے تو وہ بیمار رہے گا۔ انسان کا رہن سہن کیسا ہے اگر اس پہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعض لوگ دوسروں سے الگ نظر آتے ہیں۔ ان کا لائف اسٹائل ان لوگوں سے مختلف ہوتا ہے، اس لیے وہ صحت مند رہتے ہیں۔ آپ بیمار ہیں تو آپ کی روزمرہ زندگی بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے اور پریشانیاں وفکریں آپ کو گھیر لیتی ہیں۔ بار بار بیمار رہنے کی وجہ سے آپ کی سوچ بھی متاثر ہوتی ہے۔ اگر موسم کی سختی کو اپنے اوپر حاوی نہ ہونے دیں تو اس کے مثبت اثرات ہونا شروع ہو جائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ پانی پینے کی عادت کو اپنائیں۔ دن بھر میں کئی بار پانی پینا چاہیے۔ وٹامن سی کا استعمال صحت کے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ یہ وٹامن ہاضمہ کے نظام کو درست رکھتا ہے۔ پورے جسم کو طاقت دیتا ہے۔ وٹامن سی لیمو، کینو، مالٹا وغیرہ میں پایا جاتا ہے۔ دھوپ سے بھی وٹامن سی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جلدی سونے پر بھی نیند نہ آنا، اس کا مطلب ہے کہ آپ کا ہاضمہ خراب ہے کیونکہ نیند کا تعلق مدافعتی نظام سے ہوتا ہے۔ آپ یہ ضرور دیکھیں کہ آس پاس کی جگہ صفائی ہے کہ نہیں۔ خاص طور پر فرش، دروازے، ٹوائلٹ وغیرہ کی خاص صفائی کا دھیان رکھیں۔ گھر میں اگر ایک انسان بیمار ہے تو وہ ہر چیز کو ہاتھ لگائے گا۔ وہی جراثیم گھر کے دوسرے لوگوں میں چلا

جائے گا اور وہ لوگ بھی بیمار ہو جائیں گے۔

موبائل کا استعمال بھی بیماری کی وجہ ہوتی ہے کیونکہ موبائل پر نقصان دہ جراثیم سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس لیے موبائل کی صفائی بھی لازمی ہے۔ ٹھنڈے موسم میں نزلہ زکام کے جراثیم آپ پر حملہ کرتے ہیں۔ اس سے بچنے کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ موسم کی تبدیلی کے ساتھ ہی نزلہ اور زکام سے بچنے کے لیے ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ کھانے سے پہلے ہاتھ صابن سے اچھی طرح دھوئیں۔ ٹوائلٹ سے آنے کے بعد بھی صابن سے دھوئیں۔ روزانہ ورزش کرنے کو اپنا معمول بنالیں، ورزش کرنے سے صحت اچھی ہوتی ہے۔ انسان تازہ دم بنا رہتا ہے۔ ہری سبزیاں زیادہ کھائیں۔ گوشت وغیرہ زیادہ کھانے سے ہاضمہ خراب ہوتا ہے۔ اس سے وزن بڑھتا ہے اور بیماری پیدا ہوتی ہے۔

ہری سبزیوں کا استعمال اچھی صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔ سبزیاں جسم کو جراثیم سے لڑنے کے لیے وٹامن بناتی ہیں۔ تیل میں تلی ہوئی چیزیں کم کھائیں۔ یہ بھی وزن کو بڑھاتی ہیں، دانتوں کی صفائی بھی بہت ضروری ہے۔ اگر دانت میں بیماری ہوگئی تو صحت پر اس کا اثر پڑنا لازمی ہے۔ صحت کے لیے ڈاکٹروں نے اس کی صفائی پر خصوصی توجہ دینے پر زور دیا ہے۔ مٹھائی اور کولڈ ڈرنکس کا استعمال دانتوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر آپ کو غصہ آتا ہے تو روزانہ چہل قدمی کریں۔ خود کو پرسکون رکھنے والے کام انجام دیں۔ جن باتوں پر آپ کو زیادہ غصہ آتا ہے ان پر بہت زیادہ سوچنے سے بچیں۔

دوستوں کے ساتھ کچھ وقت گزاریں کیونکہ انسان اپنے دوستوں کے ساتھ خوش رہتا ہے۔ اس کے مثبت اثرات زندگی پر پڑتے ہیں۔ کوشش کریں ہر بات پر ڈپریشن اور تناؤ کا شکار نہ ہوں بلکہ بڑی سے بڑی بات کو بھی ہلکے پھلکے انداز میں لیں اور زیادہ سے زیادہ خوش رہنے کی کوشش کریں۔ سردی کے موسم میں کپڑے استری کر کے پہننا چاہیے کیونکہ سردی کے موسم میں تیز دھوپ نہ ہونے کی وجہ سے کپڑوں میں نمی رہ جاتی ہے۔ ایسے کپڑے پہننے سے انفکشن کا خطرہ بڑھ جاتا ہے جو صحت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ تندرست رہنے کے لیے آپ کو کھلی جگہ پر، پارک، خوبصورت پہاڑی پر جانا چاہیے۔ وہاں کی آب و ہوا تندرستی کے لیے بہت اچھی ہوتی ہے۔ جسمانی اور ذہنی نشو ونما میں پھل اور سبزیوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ ان کا استعمال کر کے بھرپور فائدہ حاصل کریں۔ گاجر کھانے سے بھی صحت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اس میں پروٹین، روغن، کاربوہائیڈریٹ، کیلشیم، فاسفورس، گندھک نشاستہ سبھی کچھ پایا جاتا ہے۔ صحت مند رہنے کے لیے وقت کی پابندی ایک بہت اچھی عادت ہے۔ وقت پر کسی کام کو کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے آپ کو اپنی صحت کے مطابق غذا کا استعمال کرنا چاہیے۔ صحت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ انمول تحفہ ہے۔ لہٰذا صحت سے لاپرواہی ہرگز نہ برتیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ اس سب باتوں کا خیال رکھیں گے تو ہمیشہ صحت مند رہیں گے۔

■

Mahmood Akhtar Jalalpuri
Qazipura, Jalalpur
Ambedkar Nagar- 224149 (UP)
Mob.: 9506316688

مصنفہ: مہادیوی ورما ترجمہ: نصرت شمسی

گلو

جوھی کے پودے میں آج ایک پیلی کلی لگی ہے۔ اسے دیکھ کر اچانک ہی اس ننھی جان کا خیال آ گیا جو پودے کی گھنی ہریالی میں چھپ کر بیٹھتا تھا۔ وہ میرے قریب پہنچتے ہی میرے کندھے پر کود کر مجھے چونکا دیتا تھا۔ تب مجھے کلی کی تلاش رہتی تھی لیکن آج اس ننھی سی جان کی تلاش ہے، لیکن وہ اب تک اس جوہی کے ننھے سے پودے کی جڑ کی مٹی میں مل گیا ہوگا۔ کیا پتہ وہ اس ننھی کلی کی شکل میں مجھے چونکانے ہی مٹی سے اوپر آ گیا ہو۔

اچانک ایک دن کمرے کے دالان میں آ کر میں نے دیکھا کہ دو کوّے ایک گملے کے چاروں طرف چونچ مار کر مٹی کریدنے کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ یہ کوا بھی عجیب پرندہ ہے کہ کبھی اسے عزت سے تو کبھی بے عزتی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ہمارے قریبی عزیز اپنے آنے کی اطلاع بھی انھیں کی کاؤں کاؤں کی مخصوص آواز کے ذریعے ہمیں بھجواتے ہیں تو دوسری طرف یہ روایت بھی ہے کہ کوے کی آواز کو ہم بدشگونی بھی تصور کرتے ہیں۔

کووں کے بارے میں میرے اس خیال میں اچانک خلل پیدا ہو گیا کیونکہ گملے اور دیوار کے درمیان میں چھپی ایک ننھی سی مخلوق پر میری نظر ٹک گئی۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو گلہری کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے جو گھونسلہ سے گر پڑا ہے اور اب کوے اسے اپنی لذیذ خوراک بنانے کے لیے اس کی تلاش میں ہیں۔ کوے کی چونچ کے دو زخم اس کے ننھے سے جسم کے لیے بہت تھے اور وہ بے سدھ سا گملے سے چمٹا پڑا تھا۔ سب نے کہا کہ کوے کی چونچ

سے زخمی ہونے کی وجہ سے یہ اب نہیں بچے گا، اسے ایسے ہی رہنے دیا جائے لیکن میرا دل نہیں مانا۔ میں اسے آہستہ سے اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئی، روئی سے اس کا زخم صاف کر کے پینسیلین کا مرہم لگا دیا۔ روئی کی پتلی بتی بنا کر اسے دودھ میں بھگو کر جیسے تیسے اس کے منھ میں لگائی لیکن اس کا منھ نہ کھل سکا اور دودھ کی بوندیں ادھر ادھر گرنے لگیں۔ کئی گھنٹوں کی کوشش کے بعد اس کے منھ میں ایک بوند پانی ڈالنے میں کامیاب ہوئی۔

تیسرا دن آتے آتے وہ اتنا چست درست ہو چکا تھا کہ میری انگلی اپنے ننھے ننھے پنجوں سے پکڑنے لگا اور اپنی نیلی کانچ جیسی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تین چار ماہ میں اس کا چکنا رواں، دھبے دار پونچھ اور چمکیلی آنکھیں سب اپنی طرف متوجہ کرنے لگیں۔ ہم نے اس کی ذات کو ایک شناخت دے کر اس کا نام 'گلو' رکھ دیا۔ میں نے پھول رکھنے کی ایک ڈلیہ میں روئی رکھ کر اسے تار کے سہارے لٹکا دیا، وہی دو سال گلو کا گھر رہا۔ وہ اپنے گھر کو خود ہلا ہلا کر جھولتا رہتا اور اپنی کانچ جیسی چمکیلی آنکھوں سے کھڑکی کے اندر اور باہر نہ جانے کیا دیکھتا رہتا تھا۔ اس کی سمجھداری اور حرکت پر سب کو حیرت بھی ہوتی تھی۔

جب میں لکھنے بیٹھتی تب میری توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی اس کی خواہش اتنی شدید ہو جاتی تھی کہ اس کے لیے اس نے ایک طریقہ سوچ لیا تھا۔ وہ میرے پیر تک آ کر سر سے پردے پر چڑھ جاتا اور پھر اسی تیزی سے اترتا۔ اس کی یہ دوڑ اس وقت تک چلتی جب تک میں اسے پکڑنے کے لیے نہ اٹھ جاتی۔ کبھی میں گلو کو ایک لمبے سے لفافے میں اس طرح رکھ دیتی کہ وہ اگلے دو پنجے اور اس کا سر لفافے سے باہر رہتا، باقی اس کا چھوٹا سا جسم لفافے کے اندر۔ اس عجیب و غریب حالت میں بھی وہ کبھی کبھی گھنٹوں میز پر دیوار کے سہارے کھڑا رہ کر اپنی چمکیلی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہتا۔ بھوک لگنے پر وہ مجھے اپنی چِچ چِچ سے آواز دے کر خبر دیتا اور کاجو بسکٹ مل جانے پر لفافے سے باہر نکلے پنجوں سے کترتا رہتا۔

پھر گلو کی زندگی میں پہلا بسنت آیا۔ نیم اور چمیلی کی بھینی بھینی خوشبو میرے کمرے میں آنے لگی تھی اور باہر کی گلہریاں کھڑکی کی جالی کے پاس آ کر چِچ چِچ کر کے نہ جانے کیا کہتی رہتیں۔ گلو کو جالی کے پاس بیٹھا اپنے پن سے باہر جھانکتے دیکھ کر مجھے لگتا کہ اسے آزاد کر دینا چاہیے سو میں نے کیلے نکال کر جالی کا ایک کونہ کھول دیا اور اس راستے سے گلو نے باہر جا کے جیسے سچ مچ آزادی کا جشن منایا۔

کمرے میں ضروری کاغذات کے سبب میری غیر موجودگی میں کمرہ بند ہی رہتا۔ میرے کالج سے لوٹنے پر جیسے ہی کمرہ کھولے جانے اور اندر پیر رکھتے ہی گلو جالی سے اندر آ کر میرے پیروں سے سر اور سر سے پیروں تک دوڑ لگانے لگتا۔ اب یہ اس کا روز کا کام ہو گیا تھا۔ میرے کمرے سے باہر جانے پر گلو بھی کھڑکی کی کھلی جالی سے باہر چلا جاتا اور دن بھر گلہریوں کے جھنڈ کا نیتا بنا ڈال پر اچھلتا کودتا رہتا۔ ٹھیک چار بجے وہ کھڑکی سے اندر آ کر اپنے جھولے پر جھولتا رہتا۔ مجھے چونکانے کی خواہش اس میں نہ جانے کب اور کیسے پیدا ہو گئی تھی کہ پھول دان میں چھپ جاتا تو کبھی پردے کی چنٹوں میں اور کبھی جوہی کی پتیوں میں۔

میرے پاس بہت سے چرند پرند ہیں۔ ان کا مجھ سے لگاؤ بھی کم نہیں ہے لیکن ان میں سے کسی کو بھی میرے ساتھ میری تھالی میں کھانے کی ہمت ہوئی ہو ایسا مجھے یاد نہیں آتا، مگر گلو ان اصولوں سے خود کو الگ رکھتا اور جیسے ہی میں کھانے کے کمرے میں پہنچتی وہ کھڑکی سے باہر نکل کر آنگن کی دیوار، دالان پار کر کے میز پر پہنچ جاتا اور میری تھالی میں بیٹھ جانا چاہتا۔ بڑی مشکل سے میں نے اسے تھالی کے پاس بیٹھنا سکھایا جہاں بیٹھ کر وہ میری تھالی میں سے ایک ایک چاول اٹھا کر بڑی صفائی سے کھاتا رہتا۔ کاجو اس کی پسندیدہ غذا تھی اور کئی دن تک کاجو نہ ملنے پر وہ دوسری چیزیں بھی کھانا بند کر دیتا تھا یا جھولے کے نیچے پھینک دیتا تھا۔

اسی درمیان میں ایک کار حادثہ میں زخمی ہو گئی اور مجھے کچھ دن اسپتال میں رہنا پڑا۔ ان دنوں جب میرے کمرے کا دروازہ کھولا جاتا تو گلو اپنے جھولے سے اتر کر دوڑتا اور پھر کسی دوسرے کو دیکھ کر اسی تیزی سے اپنے گھونسلے میں جا بیٹھتا۔ سب اسے کاجو دے جاتے۔ اسپتال سے واپس آ کر جب میں نے اس کے جھولے کی صفائی کی تو پتہ چلا کہ ان دنوں وہ اپنی محبوب غذا بھی کم کھاتا رہا۔ میری بیماری کی حالت میں وہ میرے تکیہ پر سرہانے بیٹھ کر اپنے ننھے ننھے پنجوں سے میرے سر اور بالوں کو ہلکے ہلکے سہلاتا رہتا اور جب کبھی وہ ایسا نہ کرتا تو مجھے احساس ہوتا جیسے میری کوئی خاص ملازمہ کہیں چلی گئی ہو۔

گرمیوں میں جب میں دوپہر میں کام کرتی رہتی تو گلو نہ باہر جاتا اور نہ اپنے جھولے میں بیٹھتا۔ اس نے میرے قریب رہنے کے ساتھ ساتھ گرمی سے بچنے کا بھی ایک نیا طریقہ نکال لیا تھا۔ وہ میرے پاس رکھی صراحی پر لیٹ جاتا اس طرح وہ میرے قریب بھی رہتا اور ٹھنڈک بھی محسوس کرتی۔

گلہریوں کی عمر دو سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ آخر کار گلو کا بھی آخری وقت آ ہی گیا۔ دن بھر اس نے نہ کچھ کھایا اور نہ باہر گیا۔ رات میں زندگی کے آخری درد ناک لمحات میں وہ میرے بستر پر آیا اور اپنے ٹھنڈے ہوتے پنجوں سے میری وہی انگلی پکڑ کر ہاتھ سے چمٹ گیا جسے اس نے بچپن میں اس وقت پکڑا تھا جب وہ مرنے کی حالت میں تھا۔ اس کے پنجے اتنے ٹھنڈے ہو رہے تھے کہ میں نے ہیٹر جلایا اور اسے گرمی پہنچانے کی کوشش کی لیکن گرمی محسوس کرتے ہی وہ کسی اور دنیا میں جاگنے کے لیے سو گیا۔ میں نے اس کا جھولا اتار کر رکھ دیا اور کھڑکی کی جالی بھی بند کر دی لیکن گلہریوں کی نئی نسل جالی کے اس پار چِک چِک کرتی رہتی اور جوہی کے پودے پر بسنت آتا جاتا رہتا۔

جوہی کی ڈالی کے نیچے اسے دفنا دیا گیا اس لیے کہ اسے وہ پودا بہت اچھا لگتا تھا اور یہ بھی کہ وہ ننھی سی جان کسی بسنت رت میں جوہی کے پودے کے ننھے ننھے پھول کی شکل میں کھل جانے کا یقین مجھے سکون دیتا تھا۔

■

Nusrat Shamsi
Shamsi Girls Inter College
Domehla Road
Rampur- 244901 (UP)
nusratshamsi123@gmail.com

قسط 13

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

قسط وار ناول:

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اورسبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدھا، موگلی اور قا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسندکے پیش نظر 'جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے۔

اب تک آپ بھیڑیا اور گیدڑ، شیر خاں کی دھمکی، بھیڑیا گروہ میں موگلی کا مطالعہ، شیر خاں کی سازش، لال پھول کا کرشمہ، موگلی جنگل سے انسانوں کی بستی میں، شیر خاں کا خاتمہ، انسانی سماج سے اخراج، قسم پوری ہوئی، بندروں کی بری صحبت میں پڑھ چکے ہیں۔ 'موگلی بندروں کی قید میں' میں بتا گیا ہے کہ موگلی کو بندروں نے قید کرلیا، بھالو اور بگھیرا دونوں نے بندروں کا پیچھا کیا لیکن بندر کافی دور نکل چکے تھے، موگلی کو اونچائیوں سے بہت ڈر لگ رہا تھا وہ چاھتا تھا کہ کسی طرح بھالو اور بگھیراکو اس بات کی خبر ہوجائے کہ بندر اسے کہاں لے کر جارھے ہیں اس لیے اس نے چیل سے کہاکہ وہ اس پر نظر رکھے اور بھالو اور بگھیراکو بتادے کہ اسے بندرکس جگہ لے کر جارھے ہیں، بھالو اور بگھیرادونوں پریشان تھے کہ کس طرح موگلی کو آزاد کرایاجائے تبھی بھالونے موگلی سے کہاکہ قا(اجگر) موگلی کو بندروں سے آزاد کرانے میں ہماری مدد کرے گا۔ اب آگے (ادارہ)

'قا' اژدہا کی تلاش میں

''وہ بھلا ہم لوگوں کے لیے کیا کرے گا؟ وہ بغیر پیروں والا ہے، اس لیے ہم لوگوں کی ذات کا بھی نہیں ہے اور اس کی آنکھیں کتنی سفاک اور خوفناک ہیں۔'' بگھیرا بولا۔

''نہیں، نہیں 'قا' نہایت بوڑھا اور چالاک ہے۔ اس کے علاوہ، وہ ہمیشہ بھوکا رہتا ہے۔'' بھالو دادا نئی امید کے ساتھ بولا۔ ''تم اسے کئی بکریاں کھلانے کا وعدہ کر دینا۔''

''ایک بار کھا لینے کے بعد وہ پورے ایک مہینے تک سوتا ہے۔ اس وقت بھی ممکن ہے کہ وہ سو ہی رہا ہو۔ اور فرض کریں کہ جاگ بھی رہا ہو اور کہہ دے کہ وہ اپنی بکریاں خود ہی مار لے گا تب کیا ہوگا؟'' اژدہا 'قا' کی بابت معلومات حاصل نہ ہونے کی وجہ سے بگھیرا کو فطری طور پر شکوک ہو رہے تھے۔

''ویسی حالت میں، میں اور تو مل کر اسے سمجھانے کی کوشش کریں گے، میرے شکاری''۔ یہ کہتے ہوئے بھالو دادا نے اپنے بھورے شانے بڑی اپنائیت کے ساتھ چیتے کے کندھے سے رگڑے اور پھر دونوں ساتھ ساتھ چٹان پر رہنے والے اژدہا 'قا' کی تلاش میں نکل پڑے۔

انھوں نے 'قا' کو ایک چٹان پر شام کے غروب ہوتے ہوئے سورج کی دھوپ سینکتے ہوئے پایا۔ وہ پچھلے دس دنوں سے اپنی کینچلی بدل رہا تھا اور اس وقت وہ اپنی نئی کینچلی کا بڑے شوق سے معائنہ کر رہا تھا۔ وہ اپنی بھاری اور چوڑی چکلی ناک والا سر زمین پر ادھر سے ادھر تیر کی طرح پھینک رہا تھا اور اپنے تیس فٹ لمبے جسم کو عجیب عجیب ڈھنگ کے چھلوں، گانٹھوں، لہریوں میں بدلتا ہوا لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ 'قا' کا یہ سارا روپ دیکھنے میں انتہائی پرکشش تھا۔ وہ رات میں آنے والے کھانے کی بات سوچتا ہوا اپنی زبان لپلپا رہا تھا۔

''اس نے ابھی کھانا نہیں کھایا ہے۔'' بھالو دادا نے 'قا' کے جسم کی پیلی اور بھوری چتی دار کینچلی دیکھتے ہوئے کہا۔ بھالو داد کے منھ سے ایک راحت کی سانس نکلی۔ ''ذرا خبردار رہنا بگھیرا۔ کینچلی بدلنے کے بعد اسے ہمیشہ کم دکھائی دیتا ہے اس لیے وہ بڑی جلدی حملہ کر دیتا ہے۔''

'قا' زہریلا سانپ نہیں تھا۔ حقیقتاً زہریلے سانپوں کو بزدل سمجھ کر وہ انھیں نظر انداز کر دیتا تھا۔ اس کی ساری طاقت اس کی گرفت میں تھی۔ جب ایک بار وہ کسی کو اپنی وسیع گنڈیریوں میں لپیٹ لیتا تھا تب پھر کچھ کہنے کرنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی تھی۔

''مبارک شکار! بھالو دادا اپنے پچھلے پیروں پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے چلایا۔ اپنی ذات کے ہر اژدہا کی طرح 'قا' بھی کچھ اونچا سنتا تھا اور اس لیے پہلے بھالو دادا کی نیک تمنائیں اسے سمجھ میں نہیں آئیں۔ ہر طرح کے حادثے کے لیے تیاری کرنے، کنڈلی مار کر بیٹھنے اور اپنا سر ذرا نیچا کرنے کے بعد اس نے ایک بار اپنی نظروں پر زور دیا۔

''ہم سبھوں کو شکار مبارک ثابت ہو'' اس نے جواب دیا۔ ''اوہو، بھالو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ شکار مبارک بگھیرا ہم تینوں میں سے کم سے کم ایک کو اس وقت کھانے کی ضرورت ہے۔ کیا آس پاس کہیں کوئی شکار ہونے کی خبر نہیں ہے؟ ہرنی یا پھر کوئی جوان سانبھر ہی سہی؟ میرا پیٹ تو کنوئیں کی طرح خالی ہے۔''

''ہم لوگ شکار کر رہے ہیں'' بھالو بڑی لاپرواہی

سے بولا۔ وہ جانتا تھا کہ 'قا' کو اتاؤلا کر دینا سمجھداری نہیں ہوگی۔ وہ بہت ہی طاقتور اور قوی ہیکل تھا۔

''مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دو''۔ 'قا' بولا۔ ''ایک شکاری زیادہ یا کم ہونے سے تمھیں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ کیوں بھائی بگھیرا؟ کیوں بھائی بھالو میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کہ نہیں؟ لیکن مجھے تو یہاں جنگلی پگ ڈنڈی پرکئی دنوں تک انتظار کرنا پڑے گا یا بندر کا کوئی بچہ پکڑنے کی امید میں آدھی رات کو درخت پر چڑھنا پڑے گا۔ ہش۔ش ش ش۔ آج کل کی شاخیں بھی ویسی نہیں رہ گئی ہیں جیسا کہ وہ سب میری جوانی کے دور میں ہوا کرتی تھیں۔ آج کل کی شاخیں تو سب جیسے سڑی خشک ہوتی ہیں۔''

لیکن مجھے تویہاں جنگلی پگ ڈنڈی پرکئی دنوں تک انتظارکرنا پڑے گا یا بندر کا کوئی بچہ پکڑنے کی امید میں آدھی رات کو درخت پر چڑھنا پڑے گا۔ ہش ۔ ش ش ش۔ آج کل کی شاخیں بھی ویسی نہیں رہ گئی ہیں جیسا کہ وہ سب میری جوانی کے دورمیں ہواکرتی تھیں۔ آج کل کی شاخیں توسب جیسے سڑی خشک ہوتی ہیں۔"

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تیرے بے حد بھاری وزن کا بھی اس میں ہاتھ ہو۔'' بھالو دادا نے کہا۔

''ہاں! میری لمبائی کافی ہے۔کافی ہے۔'' 'قا' کچھ فخر کے ساتھ بولا۔ ''لیکن سچ دیکھا جائے تو یہ آج کل نئے اگنے والے درختوں کا ہی قصور ہے۔ اپنے گذشتہ شکار کے سفر میں میں درخت سے گرتے گرتے بچا۔ اس وقت میری دم درخت کے چاروں طرف کس کر نہیں لپٹی تھی۔

تنے میں میرے پھسلنے کی آواز سے بندر لوگ جاگ گئے اور مجھے خراب خراب نام لے کر پکارنے لگے۔''

''بغیر پیروں والا پیلا کینچوا'' بگھیرا اپنی مونچھوں کے نیچے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں اس طرح بولا گویا وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

ہس۔س س س۔ کیا انھوں نے مجھے کبھی یہ سب کہا ہے؟'' 'قا' نے چوکنا ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

ایسے ہی کچھ وہ سب پچھلی پورنماسی کو چلا چلا کر ہم سے کہہ رہے تھے۔لیکن ہم نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ لوگ جو کچھ بھی کہیں کم ہے۔ وہ سب تو یہاں تک کہتے ہیں کہ تو نے اپنے سارے دانت کھودیے ہیں اور . . . اورتو اب ایک چھوٹے بچے سے بڑی کسی اور چیز کا مقابلہ نہیں کرے گا کیونکہ یہ بندر لوگ سچ مچ بڑے بے شرم ہیں۔ کیونکہ تو بکرے کی سینگوں سے ڈرتا ہے۔'' بگھیرا بڑی میٹھی آواز میں کہتا گیا۔

کوئی سانپ اور خاص طور سے 'قا' جیسا بہادر اور جنگجو اژدہا یہ کبھی نہیں ظاہر ہونے دیتا کہ وہ غصہ میں ہے۔ اس وقت بھی 'قا' گرچہ اوپر سے خاموش رہا لیکن بگھیرا اور بھالو 'قا' کے گلے کے دونوں طرف کے بڑے بڑے

نگلنے والے عضلات کو اٹھتے بیٹھتے دیکھ سکتے تھے۔ بندروں کے تئیں اندر ہی اندر اس کا غصہ ابل رہا تھا۔

’’یہ بندر لوگ ہی تو ہیں جن کا ہم اس وقت تعاقب کر رہے ہیں‘‘۔ بھالو دادا بولا لیکن یہ کہتے ہوئے الفاظ اس کے گلے میں جیسے اٹک اٹک سے گئے۔ اس کی یاد میں یہ پہلا موقع تھا جب جنگل کے لوگوں میں سے کسی نے یہ تسلیم کیا تھا کہ وہ بندروں کی کارستانیوں میں ذرا بھی دلچسپی رکھتا ہے۔

’’تب تو بلاشبہ کوئی غیر معمولی بات ہوگی جس کے سبب تم جیسے دو دو بہادر شکاری (اور مجھے یقین ہے کہ تم دونوں ہی اپنے جنگل کے رہنما ہو) بندروں کے تعاقب میں جا رہے ہیں‘‘۔ ’قا‘ نے بڑی مٹھاس کے ساتھ کہا لیکن اس کے دل میں زبردست تجسس پیدا ہوگیا تھا جسے دبانے کی کوشش کرنے سے اس کا پیٹ پھولنے لگا۔

’’نہیں، نہیں‘‘۔ بھالو نے کہنا شروع کیا۔ ’’میں تو شبنی کے بھیڑیا بچوں کو قانون پڑھانے والا ایک بیوقوف اور بوڑھا بھالو ہوں اور یہ بگھیرا...‘‘

’’بگھیرا بہادر شکاری اور اپنے جنگل کا رہنما بھی ہے۔‘‘ کالا چیتا بیچ ہی میں بول پڑا۔ اس کے جبڑے ایک تیز آواز کے ساتھ بھنچ گئے۔ اسے بہت منکسر ہونا پسند نہیں تھا۔

’’مشکل یہ ہے ’قا‘ کہ وہ سب پھل چرانے والے اور کھجور کی پتیاں نوچنے والے چور ہمارے انسان بچے کو چرا لے گئے ہیں۔ اس لڑکے کے بارے میں شاید تو نے سنا ہوگا۔‘‘

’’میں نے اکی سے (اکی ساہی کے کانٹوں سے وہ بہت ہی گھبراتا تھا۔) ایک ایسے انسان بچے کی کچھ خبر سنی ضرور تھی جسے بھیڑیا گروہ میں شامل کیا گیا ہے، لیکن اس خبر پر میں نے یقین نہیں کیا۔ اکی کے پاس تو بس جھوٹی کہانیوں کا خزانہ ہے جنھیں وہ بڑے ہی خراب ڈھنگ سے کہتا پھرتا ہے۔‘‘

’’لیکن یہ صحیح ہے۔ اس جیسا انسان بچہ نہ کوئی ہے اور نہ کبھی ہوا ہے۔‘‘ بھالو نے کہا۔’’ وہ انسان بچوں میں سب سے زیادہ عقل مند اور سب سے زیادہ حوصلہ رکھتا ہے۔ وہ میرا اپنا شاگرد ہے جو آس پاس کے سبھی جنگلوں میں اس بوڑھے بھالو کی شہرت پھیلا دے گا اور اس کے علاوہ میں... میں ہی نہیں، ہم سب اسے بہت پیار کرتے ہیں، ’قا‘۔

’’ہس... س‘‘۔ ’قا‘ اپنا سر آگے پیچھے ہلاتا ہوا بولا۔ ’’پیار کیا چیز ہوتی ہے اس کا مجھے بھی تجربہ ہے۔ میں ایسے قصے سنا سکتا ہوں جو۔‘‘

’’تمھارے قصے سننے کے لیے خوب صاف چاندنی رات ہونی چاہیے اور ہم لوگوں کے پیٹ بھرے ہونے چاہیے تا کہ ہم واقعی تعریف اور ستائش کر سکیں۔‘ بگھیرا جلدی سے بولا۔’’ہمارا انسان بچہ اس وقت بندروں کے ہاتھ میں ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ بندر صرف ’قا‘ سے ہی ڈرتے ہیں۔‘‘

’’ہاں یہ بالکل حقیقت ہے کہ وہ صرف مجھ سے ڈرتے ہیں۔ ان کے ڈرنے کی معقول وجہ بھی ہے۔‘‘ ’قا‘ نے کہا بک بکئے، بیوقوف اور نامراد کہیں کے۔ نامراد، بیوقوف او بک بکئے! ان کے ہاتھوں میں پڑے ہوئے آدمی جیسے جاندار کی قسمت اچھی نہیں کہی جا سکتی ہے۔ وہ لوگ پھول توڑتے ہیں اور پھر جلدی ہی اکتا کر نیچے پھینک دیتے ہیں۔ وہ ایک شاخ توڑ کر اسے ہاتھ میں لے کر بڑی بڑی چیزیں کرنے کے منصوبے لیے آدھا دن گھومتے رہیں گے اور پھر اس کے دو ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ اس انسان بچے کی حالت رقابت کے لائق نہیں ہے۔ ہاں تو انھوں نے مجھے پیلی مچھلی ہی کہا تھا نا؟‘‘

’’کیچوا۔ کیچوا کہا تھا۔‘‘ بگھیرا نے کہا۔ اور بھی نہ جانے کیسی کیسی چیزیں کہی تھیں جنھیں میں شرم کے مارے کہہ بھی نہیں سکتا۔‘‘

’’ہمیں، انھیں سکھانا ہی پڑے گا کہ وہ سب اپنے آقا اور مالک کے تئیں مہذب زبان کا استعمال کریں اور اچھی باتیں ہی کہیں۔ آ.. س... س... ہمیں ان کی کمزور یادداشت کو ٹھیک کرنا ہی پڑے گا۔ ہاں، تو وہ سب بچے کو لے کر کہاں گئے ہیں؟‘‘

’’یہ تو صرف جنگل ہی کو معلوم ہے۔ جدھر سورج ڈوبتا ہے اس سمت میں گئے ہیں، ایسا مجھے لگتا ہے۔‘‘ بھالو نے جواب دیا۔’’ہمارا خیال تھا کہ تمھیں معلوم ہوگا۔ ’قا‘۔

’’مجھے؟ کیسے وہ سب جب میرے راستے میں آ پڑتے ہیں تو میں انھیں کھا لیتا ہوں، لیکن میں بندروں کا شکار نہیں کرتا بندروں کا یا مینڈکوں کا شکار کرنا میرے لیے لعنت کی بات ہے۔‘‘

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہر یار، **دوسری اشاعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

ادریس شاہجہانپوری

پمپڈ اسٹوریج ہائیڈرو پاور

پیارے بچو! امید ہے کہ تم سب خوب دل لگا کر اپنی پڑھائی کر رہے ہوگے اور ساتھ ہی کھیل کود کے لیے بھی وقت نکال رہے ہوگے۔ آج کل موبائل اور انٹرنیٹ کا زمانہ ہے اور تم لوگ اپنا علم اور صلاحیت بڑھانے کے لیے نئے زمانے کی ان ایجادات سے خوب خوب فائدہ اٹھا رہے ہوگے۔ بچو! جس طرح ہر چیز کے اچھے اور برے پہلو ہوتے ہیں، اسی طرح موبائل اور انٹرنیٹ کے بھی جہاں فائدے ہیں تو نقصانات بھی ہیں۔ چھری، چاقو کو احتیاط کے ساتھ استعمال کر کے ہم سبزیاں اور پھل کاٹنے کا کام لیتے ہیں تو ذرا سی بد احتیاطی سے ہماری انگلی بھی کٹ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم ہر وقت موبائل دیکھتے رہیں گے تو ہماری تعلیم کا تو نقصان تو ہوگا ہی، ساتھ ساتھ ہماری صحت بھی متاثر ہوگی۔ کیونکہ اچھی صحت کے لیے ورزشی کھیل کود اور دوڑ بھاگ ضروری ہے۔ اس سے ہمارے جسم میں طاقت آنے کے ساتھ ساتھ اس میں کام کرنے کی صلاحیت بھی جس کو انگریزی میں اسٹیمنا کہتے ہیں بڑھتا ہے۔ تو چلو اب آتے ہیں اپنے موضوع کی طرف۔

بچو! گرمیوں میں اور امتحانات کے دوران بجلی کی آنکھ مچولی کی وجہ سے تم کو پریشانی تو ہوتی ہی ہوگی۔ حالانکہ اب انورٹر کا زمانہ ہے مگر اول تو تقریباً ہر گھر میں انورٹر ہوتا ہی نہیں اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس میں ذخیرہ یعنی اسٹور کی گئی بجلی (جس کو برق بھی کہا جاتا ہے) تین چار گھنٹے سے زیادہ ساتھ نہیں دیتی اور اس مدت سے زیادہ اگر بجلی نہ آئے تو بھئی ہم کو پرانے زمانے میں لوٹنا پڑتا ہے یعنی موم بتی اور شمع وغیرہ کی روشنی میں کام کرنا پڑتا ہے۔ ان سب دقتوں پر قابو پانے کے لیے سائنس داں بہت دنوں سے کوشش کر رہے تھے اور اب انھوں نے ایک نئی ٹکنالوجی ایجاد کر لی ہے جس کا نام ہے پمپڈ

اسٹوریج ہائیڈرو پاور یعنی پی ایس ایچ۔تو اب آؤ اس نئی ٹکنالوجی پر بات کرتے ہیں۔

دراصل یہ ٹکنالوجی بجلی ذخیرہ کرنے کی ایک نئی قسم ہے۔تم نے بیٹریوں میں بجلی ذخیرہ کرنے کے بارے میں تو سنا ہی ہوگا۔انورٹر میں ایک یا ایک سے زیادہ بیٹریاں لگی ہوتی ہیں جو بجلی سے چارج ہوتی رہتی ہیں یعنی ان میں بجلی ذخیرہ ہوتی رہتی ہے اور جب بجلی نہیں آتی ہے تو اسی ذخیرہ کی گئی بجلی سے ہمارے گھر روشن رہتے ہیں اور ہم مزے سے بجلی کی روشنی اور پنکھے کی ٹھنڈی ہوا میں بیٹھ کر اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔مگر انورٹر میں کچھ کمیاں رہتی ہیں، وہ یہ زیادہ دیر تک اگر بجلی نہ آئے تو انورٹر میں ذخیرہ کی ہوئی بجلی ختم ہوجاتی ہے اور یہ مہنگے بھی بہت ہوتے ہیں۔جن انورٹروں میں دو بیٹریاں ہوتی ہیں تو ان کی بجلی زیادہ دیر تک چل جاتی ہے۔مگر انورٹر کی بیٹریاں بہت مہنگی ہوتی ہیں اور ہر ایک کے بس کی بات نہیں کہ وہ انورٹر میں دو،دو بیٹریاں لگا سکے۔تو اب اچھی بات یہ ہے کہ اس نئی ٹکنالوجی سے گرمیوں کے دنوں میں بجلی کی کمی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔اس ٹکنالوجی میں کافی اونچائی پر پانی کا ایک بہت بڑا ٹینک یعنی آبی ذخیرہ بنایا جاتا ہے۔ اس سے کافی نیچے ایک دوسرا بڑا ٹینک بنایا جاتا ہے۔جس میں کسی ندی یا باندھ سے پانی بھر دیا جاتا ہے۔جس وقت بجلی کی زیادہ مقدار میں پیداوار ہو رہی ہوتی ہے تو بجلی کی بڑی بڑی موٹروں سے اوپر والے آبی ذخیرے میں پانی بھر دیا جاتا ہے۔ جب بجلی کی عام پیداوار میں کمی ہوجاتی ہے تو اوپر والے ٹینک سے پانی چھوڑا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑی سرنگ یا ٹنل سے ہوتا ہوا بڑے زور و شور سے بجلی پیدا کرنے والی ٹربائنوں کے پنکھوں پر گرتا ہے۔ یہ پنکھے پانی کے زور سے گھومنے لگتے ہیں اور ٹربائنیں بجلی پیدا کرنے لگتی ہیں۔اس بجلی کو شہروں اور دوسرے مقامات پر بھیج دیا جاتا ہے۔ یہ پانی ٹربائن پنکھوں پر گرتا ہوا واپس چھوٹے ٹینک میں آجاتا ہے اور اس طرح اس پانی کا بار بار استعمال کر کے ہم کو بنا کچھ خرچ کیے بجلی مل جاتی ہے۔

اب تم کہو گے کہ ٹربائن سے بجلی کیسے پیدا کی جاتی ہے؟ اس کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ٹربائن ایک طرح کا موٹر ہوتا ہے جیسے کہ تمھارے گھر میں لگا ہوا پنکھا۔اس پنکھے میں بھی ایک چھوٹا سا موٹر لگا ہوتا ہے۔فرق یہ ہے کہ اس موٹر کو جب بجلی کی سپلائی دی جاتی ہے تو اس کی پنکھڑیاں گھومنے لگتی ہیں اور تم کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ملنے لگتی ہے۔ جب کہ ٹربائن ایک بہت بڑی موٹر ہوتی ہے جس میں لگے ہوئے بڑے بڑے پنکھوں کو پانی کے زور سے گھمایا جاتا ہے تو وہ بجلی پیدا کرتی ہے۔ یہ پنکھے کے مقابلے میں بالکل الٹا کام کرتی ہے یعنی پنکھے کی موٹر بجلی سے پنکھوں کو گھماتی ہے اس کے برخلاف ٹربائن کے پنکھوں کو جب پانی کی توانائی سے گھمایا جاتا ہے تو وہ بجلی پیدا کرتی ہے۔امید ہے تم اچھی طرح سے سمجھ گئے ہوگے۔ بچو! تم اس کو تفصیل سے سائنس کے اگلے کلاسوں میں پڑھوگے۔

پی ایس ایچ کا استعمال سب سے پہلے 1890 کی دہائی میں اٹلی اور سوئٹزرلینڈ میں کیا گیا تھا، اور ان کو پہلی بار 1930 میں استعمال کیا گیا۔ 2023 میں شائع ہائیڈرو پاور مارکیٹ رپورٹ کے مطابق، اس وقت امریکہ میں توانائی کے تمام ذخیروں کا 96 فی صد حصہ پی ایس ایچ

سے پورا کیا جا رہا ہے۔ امریکہ کے پاس اس وقت 43 پی ایس ایچ پلانٹ ہیں اور وہ صلاحیت میں اضافے کے لیے نئے پلانٹ لگانے پر غور کر رہا ہے جس کی وجہ سے اس کی موجودہ صلاحیت دوگنے سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔

موجودہ وقت میں بجلی کا ذخیرہ بیٹری سے ہی ممکن ہے جو بہت مہنگا ہوتا ہے اور اس کی بھی کچھ حدیں ہوتی ہیں۔ بجلی گھر جو بڑے پیمانے پر بجلی کی پیداوار کرتے ہیں ان کے لیے بجلی کو ذخیرہ کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ لیکن وہ فالتو بجلی کو پڑوسی ملکوں کو بیچ سکتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے پیارے ملک ہندوستان میں ذخیرہ کیے ہوئے پانی کے علاوہ ہوا اور سورج سے بھی بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن جب بجلی کی مانگ میں کمی ہو جاتی ہے تو گرڈ ان ذرائع سے پیدا بجلی خریدنا بند کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہوا اور سورج سے بجلی پیدا کرنے والے بجلی گھر بند کرنا پڑتے ہیں۔ لیکن اس تکنیک کے ذریعے فالتو بجلی کا استعمال پمپڈ اسٹوریج ہائیڈرو پاور کے لیے کیا جا سکتا ہے۔

بجلی کی کمی دور کرنے کے لیے اس ٹکنالوجی کو دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ جلد ہی ہمارے ملک بھی اس ٹکنالوجی پر بڑے پیمانے پر کام شروع کر دیا جائے گا اور پھر گرمیوں میں روزمرہ کی پڑھائی خاص طور پر امتحانات کے دنوں میں تم آرام سے کاپی کتاب سے اپنی دوستی قائم رکھ سکو گے۔

■

Idrees Ahmad Khan
A-4, Phase 5, Aya Nagar Ext.
New Delhi-110047
Mob.: 9711700720
Email: iahmadki@gmail.com

سفر بنارس

30 مئی کو میں اور میرے والدین بنارس جانے کی تیاری کررہے تھے، کیونکہ 1 جون کو بنارس میں عام انتخابات کے لیے ووٹنگ ہونی تھی اور میرے والدین کو شہری فرض کے تحت ووٹ دینا تھا۔ ہر کوئی پر جوش تھا کیونکہ یہ منصوبہ بنایا گیا تھا کہ انتخاب والے دن گاؤں والے گھر میں سب لوگ جمع ہوں گے اور دعوت کریں گے۔ ہم نے شام پانچ بجے اپنا سفر کار سے شروع کیا۔ فیض آباد اور بنارس کے درمیان کا فاصلہ غالباً 210 کلومیٹر کا ہے۔

راستے میں بہت سے درخت اور ہریالی تھی۔ درختوں میں بہت سے آم کے درخت بھی تھے جن پر آم لگے ہوئے تھے۔ میرے والد صاحب اچھی رفتار سے گاڑی چلا رہے تھے۔ اس لیے ہم لوگ وقت پر بنارس پہنچ گئے۔ رات کو ہم اپنے گھر پر ہی ٹھہرے۔ پھر صبح صبح میرے والدین اور چاچا چاچی ایک ساتھ ووٹ ڈالنے گئے۔ بہت زیادہ دھوپ تھی اس لیے میں اور میرا چھوٹا چچیرا بھائی گھر پر ہی رکے تھے۔ ہم نے بہت سارے کھیل کھیلے اور بہت سی تصویریں بھی بنائیں۔ پھر جب سب لوگ ووٹ دے کر آئے تو سب نے کچھ دیر آرام کیا اور پھر ہم گاؤں کے لیے روانہ ہوگئے۔ شہر والے گھر سے گاؤں کی دوری قریب 25 کلومیٹر ہے۔

گاؤں پہنچ کر پہلے ہم سب سے ملے اور باتیں کی اور پھر آرام کیا۔ شام کو میں، میرے والد صاحب اور دادا جی کھیتوں کی سیر کو گئے۔ میں نے دیکھا کہ بہت ساری فصلیں لگی ہوئی تھیں اور ان میں بہت خوب صورت پھول لگے ہوئے تھے۔ میں نے دادا جی کی مدد سے بہت سی سبزیاں اور آم بھی توڑے۔ مجھے کافی مزہ آیا۔ پھر رات کو ہم سب نے مل جل کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد میرے والد صاحب اور ان کے دونوں بھائی انتخاب کے نتیجوں کے بارے میں بہت سی باتیں کی۔ کب رات ہوگئی پتہ ہی نہیں چلا۔ دیر رات سب لوگ اپنے گھر کے لیے روانہ ہوگئے۔ ہم لوگ صبح فیض آباد واپس آگئے۔

■

Susonskriti Mishra
Class 8, Jawahar Navodaya Vidyalaya
Dabhasemar- 224133 (Ayodhya), UP

حنا سلیمان، درجہ یازدہم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

محمد زید پرویز سجاد، درجہ اول، صابری انڈیا اسکول، دبئی

طوبیٰ آفرین بنت محمد شعیب انصاری، درجہ دہم، جامعہ رحمانیہ مدنپورہ، وارانسی

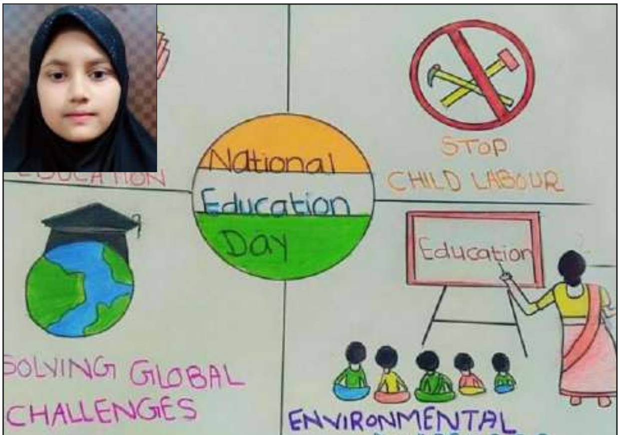

کبریا شکیل ہوالدار، درجہ ہشتم، بیگم قمر النساء کاریگر گرلز ہائی اسکول و جونیئر کالج شولاپور، مہاراشٹر

الصباح اعجاز الدین شیخ، درجہ ہشتم، بیگم قمر النساء کاریگر گرلز ہائی اسکول و جونیئر کالج شولاپور، مہاراشٹر

طلحہ صدام، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

سالیہ دھلایت، درجہ ہفتم، الہدیٰ اردو پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

اسید احمد خالد رضا، درجہ ششم (A)، اے ٹی ٹی ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج
رضا ٹاور، رضا میڈیکلس، نیا اسلام پورہ، سلام چاچا روڈ، مالیگاؤں، مہاراشٹر

کہکشاں تنویر، درجہ دہم، دہلی پبلک اسکول اننت ناگ، جموں وکشمیر

پٹھان بشریٰ رفیق، ضلع پریشد اردو اسکول، کسارے، تعلقہ ساکری، ضلع دھولیہ، مہاراشٹر

عروبہ فیصل، درجہ ہشتم، تعلیم الدین نسواں انٹر کالج مئو، یوپی

حمید فیصل، درجہ چہارم، جامعہ اثریہ دارالحدیث، مئو، یوپی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آ گہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد وشمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जनवरी 2025, वर्ष 13, अंक 01
BACHON KI DUNIYA Monthly, January 2025 Vol. 13, Issue: 01
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/12/2024
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

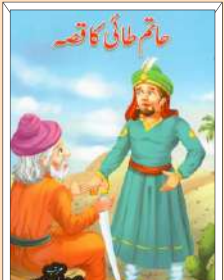

صفحات: 86 ، قیمت: 30 روپے

صفحات: 43 ، قیمت: 15 روپے

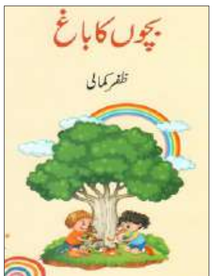

صفحات: 50 ، قیمت: 20 روپے

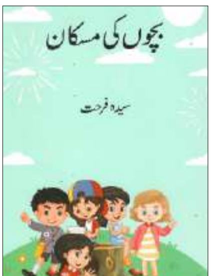

صفحات: 64 ، قیمت: 25 روپے

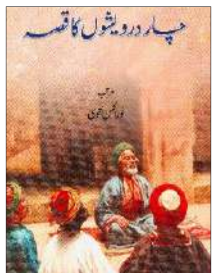

صفحات: 70 ، قیمت: 30 روپے

صفحات: 22 ، قیمت: 25 روپے

صفحات: 108 ، قیمت: 95 روپے

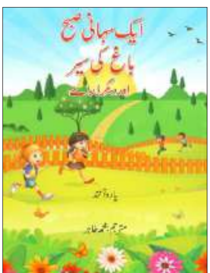

صفحات: 101 ، قیمت: 35 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printer, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6